احیائے اسلام اور امنِ عالم کا داعی عالمی اشاعتی میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جنوری 2012ء

میلاد النبی ﷺ کے موقع پر خصوصی اشاعت

محمد ﷺ رسولِ رحمت

امن برائے انسانیت کانفرنس (ویمبلے ہال لندن) سے
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے زیر اہتمام

بیداریٔ شعور طلبہ اجتماع

حمد باری تعالیٰ جل جلالہٗ

جو نورِ خالق ارض و سما شام و سحر چمکا
تو پھر اِس نور ہی سے قریہ قریہ ہر نگر چمکا

اِسی کی جلوہ افشانی مکان ولامکاں میں ہے
ضیا پاشی سے اُس کی ہی یہ ارضی مستقر چمکا

رضائے مولا مل جائے جسے وہ بخت آور ہے
نصیب اُس بندۂ خاکی کا روئے خاک پر چمکا

زمینوں آسمانوں میں وہی ہے جلوہ گر ہر سُو
اُسی نورِ ازل سے ہی جہانِ بحر و بر چمکا

نجوم و ماہ کی شمعیں ہیں اُس کے نور سے روشن
دلِ ہر بندۂ مومن بھی اُس سے سر بہ سر چمکا

وہی کرتا ہے سرِ شب ہے فلک پر قمقمے روشن
اور اُس کے اذن سے ہی سو بسو نورِ قمر چمکا

اُسی کا نور ہی ہے جلوہ گستر سارے عالم میں
تجلّی سے اُسی کی نجمِ تقدیرِ بشر چمکا

یہ کس نورِ مبیں ﷺ کی آمد آمد ہے سر بطحا
کہ ہر ذرّہ زمیں کا مثلِ خورشیدِ سحر چمکا

ہوائے رحمتِ باری چلی نیّرؔ جو گلشن میں
تو اس خاکسترِ جاں میں محبت کا شرر چمکا

(ضیاء نیّرؔ)

نعت بحضور سرورِ کونین ﷺ

سرورِ والا! کرم فرمایئے
اوج پر امت کو پھر پہنچایئے

مثلِ بُوصیری ہوں میں کبھی مدح خواں
میرا بھی دامانِ دل مہکایئے

میں نے تو پلکیں بھی جھپکائی نہیں
اک ذرا سی دیر کو آجایئے

وقت کے نرغے میں ہے اک ایک سانس
جانِ ایماں! مہرباں ہوجایئے

کیا خبر یہ زندگی کب تک رہے
اپنے دَر پہ مجھ کو بھی بلوایئے

اُمتِ عاصی پہ ہو چشمِ عطا
نجم تیرہ اس کا پھر چمکایئے

آپ کی مدحت رضاؔ کی شاعری
اس کو مدحت کا چلن سکھلایئے

(پروفیسر محمد اکرم رضاؔ)

اداریہ:

''اے ظہورِ تو شبابِ زندگی''

تاریخ مہم جو لوگوں کی ایسی ہلاکت خیز سرگرمیوں سے بھری پڑی ہے جو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے، مغلوب کرنے اور تسلط قائم کر کے محکوم بنانے سے عبارت ہیں۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے حالانکہ اب تو انسان نے مہذب ہونے کا دعوی بھی کردیا ہے۔ ترقی یافتہ اقوام نے انسانی حقوق کی تنظیمیں اور قیام امن کے عالمی ادارے بھی بنا لئے ہیں لیکن دوسروں پر حکومت کرنے کی پرانی انسانی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ گزشتہ دوصدیاں اقوامِ عالم کی باہمی جنگوں میں لتھڑی ہوئی ہیں جن میں جنگ عظیم اوّل اور جنگ عظیم دوم سرفہرست ہیں۔ ان بدترین انسانی معرکوں میں پوری انسانی تاریخ کی ہلاکتوں کے ریکارڈ ٹوٹے ہیں۔ بعدازاں دو عالمی قوتوں (امریکہ و روس) کے درمیان رسہ کشی شروع ہوئی۔ دونوں نے پوری دنیا کو اپنے اپنے دھڑوں میں تقسیم کیے رکھا اور سرد جنگ کے دوران ہلاکت خیز ہتھیاروں کی دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے ریکارڈ قائم کیے۔ فاتح قوت نے نیو ورلڈ آرڈر جاری کیا اور پھر یہ انسانی فطرت آج کے دور جدید میں داخل ہوگئی اور اگلی جنگ کا آغاز کردیا گیا۔ اس دفعہ میدان جنگ اسلامی ممالک قرار پائے۔ انتہا پسندی و دہشت گردی کے خلاف اور ''قیام امن'' کے لئے لڑی جانے والی اس جنگ میں ہزاروں بستیاں ویران اور عمارتیں کھنڈرات بن چکی ہیں اور لاکھوں لوگوں کو آتش و آھن کی بارش میں تہہ خاک کردیا گیا ہے۔

یہ تصویر ہے آج کے اس ''مہذب'' انسانی معاشرے کے حکمرانوں کی۔ ان کے ''امن پسند'' عزائم کی اور ان کی انسان دوستی کے معیاروں کی...... اسی معاشرے کے دانشور، محقق اور مذہبی پیشوا اپنے تبصروں، تجزیوں اور کتب و رسائل کی تحریروں میں پیغمبر انسانیت حضور ختمی مرتبت نبی اکرم ﷺ پر اعتراضات کرتے نظر آتے ہیں۔ کوئی آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر دہشت گردی کا الزام لگاتا ہے--- کوئی آپ ﷺ کو انسانیت کا دشمن --- اور کوئی محبوب خدا ﷺ کے دین کو انسانیت کے خلاف سازش گردانتا ہے--- کسی نے قرآن کو خونی کتاب قرار دیا ہے--- تو کسی کی متعصّبانہ تحقیق نے محمد ﷺ کی تلوار کو خونریزی کا سب سے بڑا ذمہ دار ٹھہرایا۔ حقیقت کو خرافات کے پردوں میں لپیٹنے والے یہ نام نہاد دانشور، محقق اور سکالر محض اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف باطنی تعصب، عداوت اور بددیانتی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ حق پر الزامات کا یہ سلسلہ نیا نہیں بلکہ اتنا ہی پرانا ہے جتنی پرانی انسانی تاریخ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ نے جنگیں لڑی ہیں۔ معرکوں میں حصہ لیا ہے اور حق و باطل کے ان معرکوں کی سپہ سالاری بھی فرمائی ہے مگر اس کا مطلب کیا یہ نکالا جائے گا کہ آپ ﷺ کی ساری زندگی جنگ کے میدان میں گزری؟ نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ حیاتِ طیبہ کے ۱۰ سالہ مدنی دور میں معرکوں کا یہ دورانیہ صرف آٹھ سالوں پر منحصر ہے۔ پھر ان آٹھ سالہ معرکوں کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ جنگ دفاعی جنگ تھی، کوئی ایک بھی جارحانہ اقدام نہیں تھا۔ آپ نے جنگوں کے قوانین اور ضوابط متعین فرمائے اور کم سے کم جانی نقصان کا اصول اختیار فرمایا۔ یہ ساری جنگیں کیوں لڑی گئیں؟ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے ان معرکوں میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ اہداف کو حاصل کیا۔ چونکہ جہاد فی سبیل اللہ تھا اس لیے ان کا بڑا مقصد اللہ کے دین کو اللہ تعالیٰ کی دھرتی پر قائم کرنا تھا اور بس۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان رکھنے والا شخص کبھی بھی اپنے جیسے انسان پر اس لئے ہتھیار نہیں اٹھاتا کہ وہ توسیع ملک چاہتا ہے، ذاتی تسلط چاہتا ہے، ہوس جاہ و منصب چاہتا ہے یا تجارتی اور معاشی مفادات چاہتا ہے۔ اس کے جہاد کا مقصد تو قرآن نے متعین کردیا ہے کہ وہ دنیا کو فتنہ گر قوتوں سے محفوظ و مامون کرنا

چاہتا ہے۔ خواہ یہ فتنہ وفساد کسی بھی قومیت یا فرد کی طرف سے پھیل رہا ہو۔

اسلام کی تاریخ نے بالعموم اور حضور ﷺ کی حیاتِ مقدسہ نے بالخصوص ثابت کیا ہے کہ اسلام نے کسی محدود نظریے، قومیت، نسب، لسانی شناخت یا جغرافیائی خطے کے لیے معرکہ آرائی نہیں کی۔ حضور ﷺ نے جملہ بانیان مذاہب اور فاتحین عالم کے برعکس اپنی کاوشوں کا مرکز فلاح انسانیت ہی رکھا۔ کبھی سروں کو فتح کرنے کی تعلیم نہیں دی، ہمیشہ دلوں کو فتح کرنے پر زور دیا اور صاف ظاہر ہے کہ دل تیغ سے نہیں تبلیغ سے فتح ہوتے ہیں۔ اسلام نے جس قدر فتوحات حاصل کیں، جتنی تیزی سے دنیا کے اطراف و اکناف میں پھیلتا چلا گیا اور آج بھی اس کی نورانی کرنیں ظلمت شب کے پردوں سے جھانک رہی ہیں تو اس کے پیچھے لشکر و سپاہ کا عمل دخل نہیں رہا بلکہ دل و نگاہ کی جلوہ ریزیاں کارفرما رہی ہیں۔ ہاں وہاں وہاں لشکر و سپاہ کی ضرورت بھی پڑتی رہی جہاں جہاں عقل وشعور پر اندھے اقتدار کے پہرے مسلط تھے۔

رحمت عالم کی مصائب سے بھری مکی زندگی ہو یا معرکہ آرائیوں سے بھرپور مدنی دور، نبوت سے مستنیر ۲۳ سالہ دورانیہ ہو یا بعثت سے قبل کی چالیس سالہ حیاتِ طیبہ۔۔۔ ایک ایک دن اور ایک ایک لمحہ انسانیت کو امن، محبت، مروت، عدل، احسان اور ایثار وقربانی تقسیم کرتے گزرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کا انقلاب تاریخ کا سب سے منفرد انقلاب ہے جس نے، دنیا کی سیاست، معاشرت اور معیشت کو بدل کر رکھ دیا۔ سیاست کو استبداد سے پاک کیا، معاشرت کو اخلاقی گراوٹ سے پاک کیا اور معیشت کو سودی استحصال سے نجات دلائی۔ نبی رحمت ﷺ کے حیات آفریں انقلاب کو خونی قبا پہنانے والے متعصب مخالفین کو کیا معلوم نہیں؟ کہ اسلام کے نام پر بننے والی پہلی ریاست مدینہ دنیا کا واحد تاریخی واقعہ ہے جس میں ایک انسان کا خون بھی نہیں ہوا۔ حالانکہ یہ ریاست ایک ایسے خطۂ زمین پر ابھر رہی تھی جہاں مختلف مذاہب اور نظریات کے حامل قبائل صدیوں سے آباد تھے اور اوس وخزرج جیسے قبائل کی باہمی جنگوں نے تو یہاں کے دیگر افراد کا جینا بھی محال کر رکھا تھا۔ سرورِ کائنات جب مکہ سے ہجرت فرما کر یہاں جلوہ افروز ہوئے تو آپ کا سحابِ کرم ان دشمنیوں اور عداوتوں پر بھی برسا۔ وہی دشمنیاں، دوستیوں میں بدل گئیں۔۔۔ عداوتیں محبتوں میں گھل گئیں۔۔۔ اور تعصّبات کی ہر شکل مواخات (بھائی چارے) میں مدغم ہوگئی۔

یہ انقلاب انسانی رویوں اور احساسات میں بھی حیران کن تبدیلیاں لایا تھا، غلامی کا داغ لیکر پیدا ہونے والوں کو حضور ﷺ نے قریشی سرداروں پر فوقیت دی۔ بلادِ شام کے عیسائیوں سے معرکہ آرائی کی نوبت آئی تو حضور ﷺ نے غلام زادہ اسامہ کو سپہ سالاری کا منصب دیکر جہاد کے ساتھ یہ پیغام بھی دیا کہ اسلام میں قیادت کا معیار نام ونسب نہیں اور نہ قبیلائی شناخت۔ فتح مکہ کے روز جہاں جان کے دشمنوں کو امان دی اور چادر رحمت میں سب کو سمیٹ لیا وہاں بلال کو حکم دیا کہ وہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہوکر آذان کی صورت میں کلمہ توحید و رسالت بلند کرے۔ اس عمل سے گویا اس نسلی اور قبیلائی تعصب کا خاتمہ فرما دیا جو عرب کا طرہ امتیاز تھا۔ یہ وہی مکہ تھا جس کے سرداروں نے بلال و یاسر کو منڈیوں سے خرید کر حیوانوں کی طرح اپنی خدمت پر مامور کر رکھا تھا۔ جہاں غلاموں اور سیاہ فام انسانوں کو کوئی باعزت انسان کا درجہ دینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ آج یہاں تمام قریشی سردار، جنگجو قیادتیں، سیاسی عمائدین اور سماجی تفاخر کے نمائندے موجود تھے مگر کلمہ توحید کی نغمگی اس زبان سے فضاؤں میں بلند ہو رہی تھی جو عربی تلفظ سے بھی مانوس نہیں تھی۔ ہاں یہ وہی قدسی انقلاب تھا جس نے شاہ روم جیسے حاکم مطلق کو فنائیت کے گھاٹ اتارا اور بلال حبشی کو حیاتِ دوام سے ہمکنار کیا۔

اب آجائیں انسانی حقوق کے نام نہاد علمبرداروں کے اس شورشرابے کی طرف جس کے ذریعے وہ مسلمانوں کو

خوں آشام قوم قرار دیتے ہیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کو اس خونی تحریک کا بانی کہتے ہیں۔ تاریخ میں اس سے بڑا جھوٹ، اس سے بڑا دجل اور اس سے بڑا فریب شاید ہی کوئی ہو۔ عقل کے ان اندھوں کو اپنے سیاہ کارنامے اور خون کے دریا نظر نہیں آتے اور ہرزہ سرائی کرتے ہیں اس ذاتِ اقدس پر جن کے پاکیزہ دامن پر خون کا ایک دھبہ بھی نہیں۔ ہم تاریخ عالم کے دامن میں محفوظ حقائق کو گواہ بنا کر فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انقلابات کی تاریخ میں مصطفوی انقلاب ہی ایسا ہے جو غیر خونی (Blood less) انقلاب ہے۔ 17، 18 سالوں میں تین براعظموں میں پھیل جانے والی اسلامی تحریک صرف اور صرف تعلیمات کی موثریت اور روحانی کشش کی وجہ سے پھیلی۔ آئیں تاریخ کی دہلیز پر کھڑے ہوکر ان جنگوں کا جائزہ بھی لیتے ہیں جو حضور ﷺ نے اپنی نگرانی میں اہل کفر کے ساتھ لڑیں اور ان جنگوں پر بھی ایک نظر دوڑاتے ہیں جو دور جدید کی ''مہذب'' اقوام نے بپا کیں۔ ہلاک ہونے والوں کی تعداد خود بول اُٹھے گی کہ خونی تحریک کون سی تھی اور انسانیت نواز تحریک کون سی۔

تاریخ جانب دار نہیں ہوتی، اس کے صفحات پر نظر دوڑائیں اور ابتدائی اسلامی معرکوں میں جانی نقصان کے اعداد و شمار دیکھیں، آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ جن نبوی غزوات کو عالم کفر انسانی امن کے خلاف جنگ کا آغاز قرار دے رہا ہے، ان کی کل تعداد 7 ہے۔۔۔ غزوہ بدر میں 22 مسلمان شہید ہوئے جبکہ 70 کفار لقمہ اجل بنے۔۔۔ اسی طرح غزوۂ احد میں 70 صحابہ عروسِ شہادت سے ہمکنار ہوئے اور 30 کافر کام آئے۔۔۔ غزوہ احزاب میں صرف 6 مسلمان شہید ہوئے اور 10 کفار رزق خاک ہوئے۔۔۔ یہود مدینہ کی سازشوں کی سرکوبی کیلئے غزوہ خیبر بپا ہوا تو اس میں 18 صحابہ نے مرتبہ شہادت حاصل کیا جبکہ 93 یہود و منافقین واصل جہنم ہوئے۔۔۔ فتح مکہ کے وقت اہل مکہ نے ابتداً مزاحمت کی جس میں صرف 2 مسلمان جان بحق ہوئے اور 12 کفار کا خاتمہ ہوا۔۔۔ پھر غزوہ حنین وطائف ہوا تو اس میں 6 مسلمان اور 71 دشمن کام آئے۔۔۔ اسی طرح موتہ کے معرکے میں بھی 12 صحابہ نے جام شہادت نوش کیا اور مخالفین کے جانی نقصان کی کوئی تاریخی گواہی موجود نہیں۔ آپ اب ساتوں معرکوں میں جانی نقصان کا چارٹ بنائیں تو صرف 136 مسلمان اور 286 کافر نظر آئیں گے، ان دونوں طبقات کو جمع کرلیں تو یہ تعداد 422 بنتی ہے۔ یہ ہیں وہ ہلاکتیں جو سرور عالم ﷺ کے دور میں دونوں اطراف کی جنگوں میں ہوئیں۔ اس کے مقابلے میں ہم صرف ان چیدہ چیدہ جنگوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو موجودہ اور گزشتہ صدی کے ''مہذب'' اقوام نے بپا کیں۔

☆ سترویں صدی میں 1618ء سے 1648ء تک جرمنی، فرانس، آسٹریا اور سویڈن کی باہمی جنگ 30 سال جاری رہی اس میں صرف جرمنی کے ایک کروڑ بیس لاکھ لوگ مارے گئے۔
☆ 1857ء کی جنگ آزادی میں ہندوستان میں 27 ہزار مسلمانوں کو تاج برطانیہ کے قانون کے تحت پھانسی ہوئی، دیگر قتل و غارت گری کا کوئی حساب ہی نہیں۔
☆ 1861ء سے 1865ء تک امریکہ کی خانہ جنگی میں 18 لاکھ افراد مارے گئے اور بے پناہ مالی نقصان ہوا۔
☆ بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں جنگ عظیم اوّل سے قبل بلقان اور سلطنت عثمانیہ کے درمیان معرکہ آرائی جاری رہی جس میں اڑھائی لاکھ مسلمان مارے گئے۔
☆ جنگ عظیم اول جو 1914ء سے 1918ء تک جاری رہی، فریقین کی جو تعداد تہہ تیغ ہوئی، ان کی محتاط تعداد 75 لاکھ تھی جبکہ مالی نقصان کا تخمینہ ایک کھرب اور 86 ارب ڈالر لگایا گیا۔
☆ 1918ء میں سویت یونین نے عثمانی خلافت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سنٹرل ایشیائی مسلمان ریاستوں پر

قبضہ کرلیا، ہزاروں مساجد اور مدارس کو بلڈوز کردیا گیا جبکہ دینی اساتذہ اور طلباء کو قطاروں میں کھڑے کر کے گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ ان ظالمانہ کارروائیوں میں 10 لاکھ سے زائد مسلمان شہید ہوئے۔

☆ جنگ عظیم دوم 1939ء سے 1945ء تک جاری رہی۔ یہ جنگ بھی یورپی اقوام، امریکہ، سوویت یونین اور جاپان وغیرہ کے درمیان ہوئی اور اب تک کی تاریخ کی سب سے بڑی انسانی ہلاکت کا موجب بنی، اس میں 5 کروڑ انسانی جانیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ سٹالن گراڈ کے ایک شہر میں ایک ہی روز دس لاکھ لوگوں کو زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے جو اپنی جگہ ایک ریکارڈ ہے۔

☆ الغرض ہیروشیما اور ناگا ساکی پر ایٹم بم گرانے کا واقعہ ہو یا یوگوسلاویہ میں کمیونسٹوں کے دور میں مسلمانوں کا قتل عام، روس اور امریکہ کی جنگ میں 15 لاکھ افغان مسلمانوں کا قتل ہو یا سربیائی انتہاء پسندوں کے ہاتھوں ڈھائی لاکھ بوسنیائی مسلمانوں کی ہلاکت کا المیہ۔۔۔ قیام اسرائیل کے بعد اب تک فلسطینی اور عرب مسلمانوں کی ہلاکتوں کا سلسلہ ہو یا کشمیر میں 7 لاکھ بھارتی غنڈوں کے ہاتھوں لاکھوں کشمیری مسلمانوں کی ہلاکت۔۔۔ ایک سے بڑھ کر ایک انسانی ہلاکت کے واقعات ہیں جن کا تسلسل ابھی تک جاری ہے۔ انسانی حقوق کے ان علمبرداروں کو اپنے بریدہ دامن کے یہ داغ تو نظر نہیں آتے البتہ اسلام کی تعلیمات اور شخصیات پر کیچڑ اچھالنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

علاوہ ازیں گذشتہ دو تین صدیوں سے دنیا مختلف قسم کے سیاسی معاشی اور معاشرتی انقلابات سے ہمکنار ہوئی ہے۔ ہر انقلاب پہلے کا ردعمل تھا اور ایک انتہاء سے دوسری انتہاء تک کا غیر فطری سفر۔ دنیا نے سرمایہ دارانہ نظام کا انجام بھی دیکھ لیا ہے اور کمیونزم کے معاشی انقلاب سے بھی اپنا دامن تار تار کرچکی ہے۔ آج امریکہ سے لیکر یورپ اور آسٹریلیا کی سڑکوں پر ہر قوم ہر مذہب اور ہر رنگ کے انسانوں نے پلاسٹک منی نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا ہے اور اس کے ساتھ انہوں نے اسلامی معیشت اور نظام بنکاری کو انسانیت کے دکھوں کا علاج قرار دیا ہے۔ اس مہذب دور کے ان کروڑوں تباہ حال لوگوں کو سودی نظام معیشت میں موجود نقصانات کا علم آج ہو رہا ہے اور ادھر حضور سرور عالم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کو پڑھیں آپ نے آج سے 15,14 صدیاں پہلے سودی نظام کو انسانیت کا دشمن قرار دیا تھا قرآن نے سود خوری کو اللہ کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا تھا۔ رحمت عالم ﷺ نے غلاموں، مزدوروں، عورتوں اور بچوں کے جن حقوق کی تاکید اس خطبہ میں فرمائی تھی مغرب صدیوں کا سفر طے کر کے جنیوا کنونشن تک پہنچا لیکن اس کے باوجود یہ قانون فرمانِ رسول ﷺ کی تاثیر کے مقابلے میں فی الحقیقت بے روح اور کھوکھلا ہے۔

شاعر مشرق نے پیغمبر انسانیت کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے کیا خوب ترجمانی کی ہے۔

اے ظہورِ تو شباب زندگی　　　جلوہ ات تعبیر خوابِ زندگی
در جہاں شمع حیات افروختی　　　بندگاں را خواجگی آموختی! ☆

ڈاکٹر علی اکبر قادری

☆ ’’پیغمبر اکرم ﷺ کی تشریف آوری انسانی زندگی میں رعنائیوں کی ضمانت ہے۔ آپ سے ان جلوؤں کی نمود ہوتی ہے جو اب تک سینہ کائنات میں ایک راز کی مانند مستور تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے دنیا میں نور و ہدایت کی ایسی شمعیں روشن کی ہیں کہ انسان کو گمراہی کے پست مقام سے اٹھا کر دنیا کا مقتداء بنا دیا ہے۔‘‘

محمد ﷺ: رسولِ رحمت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری☆

ترجمہ و تلخیص: محمد فاروق رانا

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ پوری انسانیت کے لیے رحمت و محبت اور ہم دردی کے جذبات سے لبریز رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں صرف مسلمانوں کے لیے خاص نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے خاص ہیں۔ چاہے انسان کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، یہودی ہو یا عیسائی، ہندو ہو یا سکھ، بدھ مت ہو یا ملحد؛ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہونے کی حیثیت میں قدرتی نعمتوں کے برابر حق دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مذاہب کے ماننے والوں کو صحت دیتا ہے، بھوک میں کھانا دیتا ہے، ذلت میں عزت دیتا ہے اور پستی و زوال میں بلندی اور ترقی عطا کرتا ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت بھی سب کے لیے یکساں ہے۔ قرآن نے کبھی آپ ﷺ کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ آپ عربوں کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں یا اہل مکہ، اہل مدینہ یا مسلمانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں؛ بلکہ فرمایا گیا:

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا.

’’آپ فرما دیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں۔‘‘

اِس طرح آپ ﷺ نے اپنی رحمت و محبت کے دائرہ کار سے ایک بھی غیر مسلم کو خارج نہیں فرمایا۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَo

’’اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کرo‘‘ (الانبیاء، ۲۱:۱۰۷)

پس جب اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے خود کسی کو دائرۂ رحمت سے خارج نہیں فرمایا تو ہم کون ہوتے ہیں کہ غیر مسلموں کو اسلام کے دائرۂ رحمت و محبت سے خارج کرتے پھریں؟ یہی وجہ ہے کہ میں ہمیشہ یہ کہا کرتا ہوں کہ لوگو! اسامہ کی پیروی نہ کرو بلکہ محمد ﷺ کی اِتباع کرو ...... القاعدہ کی پیروی نہ کرو بلکہ القرآن پر عمل کرو ...... کسی فرد کی پیروی نہ کرو، صرف اہل بیت اَطہار اور خلفاء راشدین کی پیروی کرو جو ہمارے لیے اُسوۂ اور role model ہیں اور جن کے ہاتھوں کسی غیر مسلم کو اذیت پہنچی نہ کسی غیر مسلم

☆ 24 ستمبر 2011ء کو تحریک منہاج القرآن کے زیرِ اہتمام لندن میں منعقد ہونے والی عظیم الشان ’’اَمن برائے اِنسانیت کانفرنس‘‘ سے خصوصی خطاب۔۔۔ اس کانفرنس کو تاریخ کی مطابقت میں خوش قسمتی سے ایک اور اعزاز بھی حاصل ہوا جس کا ذکر شیخ الاسلام نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ ہجرت کے موقع پر جب آپ ﷺ بارہ ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو اس وقت عیسوی کیلنڈر کے مطابق ۲۴ ستمبر (۶۲۲ھ) کا ہی دن تھا۔

کے حقوق پامال ہوئے۔

رسولِ مکرم ﷺ کی اِنسانیت نوازی

آج کے اس تاریخی موقع پر ہمارا مضمون حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت میں سے انسانیت نوازی کا پہلو اُجاگر کرنا ہے۔ آپ ﷺ کو بحیثیت نبی و رسول کثیر معجزات اور بے انتہاء روحانی فضائل عطا ہوئے لیکن ہم انہیں یہاں زیر بحث نہیں لا رہے۔ البتہ یہاں ہم آپ ﷺ کے انسان ہونے کی حیثیت میں آپ ﷺ کی زندگی کے انسانی و اخلاقی پہلوؤں پر غور کریں گے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کا پہلی وحی کے نزول کے بعد کیا گیا تبصرہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کے خصائل، اعلیٰ اخلاقی اقدار اور خلقِ عظیم سے خوبصورت طریق سے تعارف کرواتا ہے اور اِس سے آپ ﷺ کی سیرت و کردار میں سماجی و معاشرتی اور انسانیت نوازی کے نمایاں پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ جب عمر مبارک کے چالیس سال مکمل ہونے پر آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ایسے لوگوں کے سامنے اسلام کو اَمن و محبت، علم و تحقیق، برداشت و رواداری، آزادی و مساوات، عدل و انصاف، سخاوت و فیاضی اور وحدت و یگانگت کے دین کے طور پر پیش کرنا شروع کیا جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور اَخلاقیات سے بالکل عاری تھے اور جن کی نگاہ میں عورت کی کوئی بھی حیثیت نہ تھی۔ جب پہلی وحی کا بارگراں آپ ﷺ پر پڑا تو پندرہ سال سے آپ کی رفیقہ حیات رہنے والی سیدہ خدیجہ نے آپ ﷺ کی ڈھارس بندھائی کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے ایک ایک لمحے کا مشاہدہ کیا تھا اور سیدہ خدیجہؓ کا یہ بیان آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے سماجی و اخلاقی پہلو پر مستند ترین بیان تھا جس کا ایک ایک لفظ ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کراتا ہے۔ سیدہ خدیجہ نے فرمایا:

كَلَّا وَاللهِ مَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ. (متفق عليه)

’’بخدا! ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے، محتاجوں کے لیے کماتے، مہمان کی ضیافت کرتے اور راہ حق میں مصائب برداشت کرتے ہیں۔‘‘

حبشہ کی طرف حکم ہجرت کی حکمت

اس کی دوسری مثال ہمیں اُس وقت دیکھنے کو ملتی ہے جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں کو اذیتیں دینی شروع کیں بلکہ انہیں جان سے بھی مارا تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قریبی ملک ایتھوپیا کی طرف ہجرت کر جائیں جسے اُس وقت حبشہ کہا جاتا تھا۔ نام ور سیرت نگار ابن اسحاق نے حضور نبی اکرم ﷺ کے الفاظ یوں روایت کیے ہیں:

لَوْ خَرَجْتُمْ إِلَى أَرْضِ الْحَبَشَةِ، فَإِنَّ بِهَا مَلِكًا لَا يُظْلَمُ عِنْدَهُ أَحَدٌ، وَهِيَ أَرْضُ صِدْقٍ، حَتّٰى يَجْعَلَ اللهُ لَكُمْ فَرَجًا. فَخَرَجَ عِنْدَ ذٰلِكَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى أَرْضِ الْحَبَشَةِ، مَخَافَةَ الْفِتْنَةِ وَفِرَارًا إِلَى اللهِ بِدِينِهِمْ، فَكَانَتْ أَوَّلَ هِجْرَةٍ كَانَتْ فِي الْإِسْلَامِ. (سیرت ابن هشام، ۱:۳۳۱)

’’اگر تم لوگ ملک حبشہ چلے جاؤ تو بہتر ہے کیوں کہ وہاں کے بادشاہ کی سلطنت میں کسی پر بھی ظلم نہیں ہوتا اور وہ سچائی اور راستی کی سرزمین ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی فرما دے۔ چنانچہ یہ حکمِ نبوی سُن کر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے دین کی حفاظت کی خاطر حبشہ کی طرف روانہ ہوگئے، اور یہ تاریخِ اِسلام میں پہلی ہجرت تھی۔‘‘

یہی کلمات سرزمینِ حبشہ اور نجاشی کے بارے میں امام طبری نے بھی تاریخ الأمم والملوک میں روایت کیے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَإِنّ بِهَا مَلِكًا لا يُظْلَمُ عِنْدَهُ أَحَدٌ، وَهِيَ أَرْضُ صِدْقٍ.

''اس ملک کا بادشاہ ایسا ہے کہ اس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا اور یہ سچائی کی سرزمین ہے۔''

ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ حضور ﷺ نے حبشہ کو 'سچائی کی سرزمین' کہا کیونکہ وہاں کسی شہری پر زیادتی ہوتی تھی نہ کسی کی حق تلفی ہوتی تھی حالانکہ وہ ملک اور اس کا حکمران مسیحی المذہب تھا۔ اس سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ کے نزدیک نیکی کا معیار صرف مذہب تک محدود نہیں تھا اور سچائی صرف روحانی و مذہبی اور ایمانی پہلوؤں میں مقید نہیں تھی۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگرچہ وہاں عیسائی حکمران ہے تاہم وہ ایک رحم دل انسان ہے جو انسانی اقدار کی پاس داری کرتا ہے۔ وہ سخی ہے اور انسانی حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کی بادشاہت میں کوئی تشدد (violence)، انتہاء پسندی (extremism)، دہشت گردی (terrorism)، خوں ریزی (brutality) یا ظلم و زیادتی نہیں ہوتی۔ بایں وجہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو وہاں بھیج دیا کہ اگرچہ وہ اقلیت میں ہوں گے تاہم ان کے حقوق محفوظ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی بہتر راستہ نکالے گا۔

مسلمانوں کے تعاقب میں قریش مکہ نے بھی اپنا وفد بھیجا لیکن شاہِ حبشہ نے مسلمان پناہ گزینوں کا مقدمہ خود سماعت کیا۔ بادشاہ نے قریش مکہ کے وفد کا موقف سنا اور مہاجر صحابہ کو بلا بھیجا اور اپنے دربار میں عیسائی مذہبی رہنماؤں کی موجودگی میں ان سے بڑا اہم سوال کیا:

''اے مسلمانو! وہ کون سا نیا دین ہے جس کے لیے تم نے اپنے آباء و اجداد کا مذہب ترک کر دیا اور میرا یا کوئی اور موجودہ مذہب بھی اختیار نہیں کیا؟''

اس پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور دینِ محمدی کے دس نمایاں پہلو شاہِ حبشہ کے سامنے بیان کیے:

أَيُّهَا الْمَلِکُ! كُنّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيّةٍ، نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ وَنَقْطَعُ الْأَرْحَامَ، وَنُسِيءُ الْجِوَارَ وَيَأْكُلُ الْقَوِيّ مِنّا الضّعِيفَ، فَكُنّا عَلَى ذَلِکَ حَتّى بَعَثَ اللهُ إلَيْنَا رَسُولًا مِنّا، نَعْرِفُ نَسَبَهُ وَصِدْقَهُ وَأَمَانَتَهُ وَعَفَافَهُ فَدَعَانَا إلَى اللهِ لِنُوَحّدَهُ وَنَعْبُدَهُ وَنَخْلَعَ مَا كُنّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ دُونِهِ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْأَوْثَانِ، وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ وَصِلَةِ الرّحِمِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ وَالْكَفّ عَنِ الْمَحَارِمِ وَالدّمَاءِ، وَنَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ وَقَوْلِ الزّورِ، وَأَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ وَقَذْفِ الْمُحْصَنَاتِ. (سیرت ابن هشام)

''اے بادشاہ! ہم جاہل، غیر تہذیب یافتہ اور وحشی قوم تھے۔ ہم بتوں کی پوجا کرتے اور مردار کھاتے تھے۔ ہم قطع رحمی کرتے تھے اور پڑوسیوں کے حقوق سے ناآشنا تھے۔ ہم میں سے طاقت ور اپنے سے کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہم ان ہی برائیوں پر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہی ایک رسول مبعوث فرمایا جس کا نسب، صدق، امانت اور عفت ہم جانتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تاکہ ہم اس کی توحید کو تسلیم کریں اور اس کی عبادت کریں اور ان پتھروں اور بتوں کی پوجا ترک کر دیں جن کی ہم اور ہمارے آباء و اجداد پرستش کرتے چلے آرہے تھے۔ انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرنے، محرمات سے اجتناب کرنے، خوں ریزی سے بچنے اور برائیوں سے رُکنے کا حکم دیا۔ اور ہمیں حکم دیا کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، یتیم کا مال نہ کھائیں اور پاک باز خواتین پر تہمت نہ لگائیں۔''

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر سے حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت و کردار کا انسانیت پسندی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار پر مشتمل پہلو نمایاں ہوتا ہے کیونکہ آپ ؑ کا شاہِ حبشہ کے سامنے مکمل بیان انسانی اقدار کی تفصیل پر مشتمل تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ انسانی حقوق کے تحفظ کی دعوت دی اور انسانیت کے قتل، خواتین پر ظلم و زیادتی یا

انسانی عظمت کے منافی اَقدار سے منع فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کا خلاصہ تھا اور یہی اسلام کا پیغام تھا۔

بیعت عقبہ اُولیٰ کی انسانیت نواز تعلیمات

انسانیت نوازی اور اعلیٰ اخلاقی و روحانی اقدار کی تکمیل اور اپنے پیروکاروں کی اس نہج پر تربیت کا ایک اظہار ہمیں بیعتِ عقبٰی کے موقع پر بھی نظر آتا ہے۔ اعلانِ نبوت کے دس سال بعد ۶۲۱ء میں جب یثرب سے آنے والے بارہ رکنی وفد نے مکہ میں منٰی کے نزدیک عقبہ کے مقام پر آپ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ ﷺ کی دعوت پر اسلام قبول کرلیا۔ یہ یثرب سے آنے والا پہلا وفد تھا، اُس وفد نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی جسے بیعتِ عقبہ اُولیٰ کا نام دیا جاتا ہے۔ بیعتِ عقبہ اُولیٰ میں آپ ﷺ نے جو حلف لیا اس سے آپ ﷺ کا frame of mind، شخصیت، اخلاقیات، ترجیحات اور انسانیت دوستی ثابت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس وفد سے درج ذیل نکات پر حلف لیا:

☆ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

☆ ہم چوری یا ڈاکہ زنی کے مرتکب نہیں ہوں گے۔

☆ ہم بدکاری کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

☆ ہم اپنی اولاد (خصوصا بچیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔

☆ ہم کسی پر الزام تراشی یا اس کی غیبت نہیں کریں گے۔

☆ ہم عورتوں پر تہمت نہیں لگائیں گے۔

☆ ہم ہمیشہ عفت وعصمت اور حیاء والی زندگی گزاریں گے۔

☆ ہم نیک افعال اور اَعلیٰ مقصد میں آپ کی حکم عدولی نہیں کریں گے۔

☆ ہم حق اور سچ کو اپنی زندگی کا مشن بنا کر چلیں گے اور ہر طرح کے حالات میں ثابت قدم رہیں گے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے حقیقی، انسانیت دوستی اور خیر خواہی کے چہرے کی تعبیر انسانیت کے قاتل اور جنگ کے ذریعے معاشرے میں نفرت کی دیواریں کھڑی کرنے والے بہتر کرسکیں گے یا بیعتِ عقبہ اُولیٰ کے موقع پر لیا جانے والا حلف ان جذبات کی بہتر تشریح و توضیح کر سکے گا؟ اس حلف کا ہر ہر لفظ اِخلاصِ ایمان، تحفظ اَخلاق، انسانی حقوق کے تحفظ، مال و جان کے تحفظ اور قتل وظلم کی حرمت کی تعلیمات پر مشتمل ہے؛ اور یہی آپ ﷺ کی ساری تعلیمات کا خلاصہ ہے جو ہم آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے ہر دور میں دیکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا ابتدائی دور ہو جب سیدہ خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی اقربا پروری، مہمان نوازی اور غربا دوستی کی گواہی دی ...... یا شاہِ حبشہ میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر ہو ...... یا بیعتِ عقبہ اُولیٰ۔ ہمیں کہیں بھی کوئی انحراف دکھائی نہیں دیتا۔ آپ ﷺ نے مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے اعلی اخلاقی اَقدار کی تبلیغ کی اور ہر جگہ ہر وقت ہر فرد کو راہِ ہدایت، اَخلاقیات کی پیروی، عفت وعصمت کی حفاظت، پاکیزگی، فیاضی اور سخاوت کی تلقین کی۔

پہلے خطبہ جمعہ کی اَمن پسند تعلیمات

یہ امر ذہن نشین رہے کہ تاجدارِ کائنات ﷺ نے مکہ والوں کے ظلم کے باعث اپنا شہر چھوڑا اور بوقتِ ہجرت بارگاہِ اِلٰہ میں یوں عرض کیا: ’’اے میرے رب! اگر تیرا حکم نہ ہوتا تو میں کبھی اپنا آبائی وطن نہ چھوڑتا۔‘‘ یعنی آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ سے اتنا پیار تھا کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک ظلم و زیادتی کے پہاڑ سہے لیکن بعد ازاں حکم اِلٰہی کے تحت اپنے پیروکاروں پر ہونے والے ظلم و استبداد اور زیادتی کی وجہ سے اس پیارے شہر سے کوچ فرما گئے۔ اب ذرا تصور میں لایئے کہ جب ایک شخص کو ظلم و زیادتی کی وجہ سے اپنا علاقہ چھوڑنا پڑے اور مدینہ منورہ میں تین دن سے جس کے عدیم النظیر استقبال کے لیے ہزاروں لوگ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہوں اور مسجدِ قبا

میں پہلے جمعۃ المبارک کو جب وہ قوم سے مخاطب ہوں گے تو کیا ارشاد فرمائیں گے! ہزاروں لوگ آپ کے اشارۂ ابرو کے منتظر تھے۔ ان حالات میں آپ ﷺ انہیں جو بھی حکم فرماتے وہ فوراً عمل کر دیتے، لیکن آپ ﷺ کی تعلیمات میں تشدد و انتہاء پسندی کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے پہلے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ! فَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ، تَعَلَّمُنَّ وَاللهِ لَيُصْعَقَنَّ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لَيَدَعَنَّ غَنَمَهُ لَيْسَ لَهَا رَاعٍ ثُمَّ لَيَقُولَنَّ لَهُ رَبُّهُ وَلَيْسَ لَهُ تَرْجُمَانٌ وَلَا حَاجِبٌ يَحْجُبُهُ دُونَهُ، أَلَمْ يَأْتِكَ رَسُولِي فَبَلَّغَكَ، وَآتَيْتُكَ مَالًا وَأَفْضَلْتُ عَلَيْكَ؟ فَمَا قَدَّمْتَ (فَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَقِيَ وَجْهَهُ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ)، وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ، فَإِنَّ بِهَا تُجْزَى الْحَسَنَةُ عَشْرَ أَمْثَالِهَا، إِلَى سَبْعِ مِئَةِ ضَعْفٍ. (سیرت ابن ھشام)

”اے لوگو! اپنے لیے اَعمالِ صالحہ سرانجام دو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک نے صاعقہ کا سامنا کرنا ہے۔ پھر وہ اپنی بھیڑوں کو اس حالت میں چھوڑ دے گا کہ انہیں چروانے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔ پھر اُس کا رب اُس سے ضرور پوچھے گا کہ جس وقت نہ کوئی ترجمان ہوگا اور نہ ہی کوئی پردہ ان کے درمیان حائل ہوگا: کیا تمہارے پاس میرے رسولِ مکرم تشریف نہیں لائے تھے اور انہوں نے تمہیں تبلیغ دین نہیں کی تھی؟ کیا میں نے تمہیں مال عطا نہیں کیا اور کیا میں نے تم پر اپنا فضل نہیں فرمایا؟ تو نے اپنے نفس کے لیے آگے کیا بھیجا ہے؟ وہ شخص دائیں بائیں دیکھے گا لیکن وہ کوئی چیز نہیں پائے گا، وہ سامنے دیکھے گا تو اسے جہنم کے علاوہ کوئی شے نظر نہیں آئے گی۔ لہٰذا جو کوئی طاقت رکھتا ہے، اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا لے اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کرکے ہی کیوں نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ کرلے۔ اور جو کھجور کا ٹکڑا نہ پائے تو اچھی گفتگو کرکے جہنم سے خلاصی حاصل کرلے (کیونکہ مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ گفتگو کرنا بھی صدقہ ہے)۔ بلاشبہ اچھی گفتگو کا بھی اجر دیا جائے گا اور نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے۔“

یہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی آفاقی تعلیمات کا ایک اہم راز مضمر ہے۔ جب آپ ﷺ اپنے ہزاروں عاشقان کے سامنے پہلا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے ادنیٰ سے غیض و غضب کا بھی اِظہار نہیں فرمایا اور نہ ہی آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر اہل مکہ کے خلاف ناگواری یا نفرت کے کوئی آثار ظاہر ہوئے تھے۔ آپ ﷺ اہل مکہ کے تیرہ سالہ ظلم و زیادتی کے بارے میں ایک حرف بھی زبان اقدس پر نہ لائے اور نہ ہی انتقام لینے کا ذکر تک کیا۔ گویا آپ ﷺ پورے خطاب میں سراپا برداشت و سراپا رواداری اور پیکر محبت و رحمت دکھائی دیے۔ آپ ﷺ نے پہلے خطاب میں صرف خشیتِ اِلٰہی، تقویٰ اور نیکی و خیر خواہی کی بات کی۔

فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کے عملی مظاہر

اب آیئے ہجرت کے آٹھ سال بعد فتح مکہ کا نظارہ دیکھتے ہیں۔ جب آپ ﷺ اپنے پیروکاروں کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو بغیر کسی خون خرابے کے انتہائی پُراَمن انداز میں داخل ہوئے۔ یہ ۱۱ فروری ۶۳۰ء کا دن تھا اور اُس دن لوگ دہشت زدہ و خوف زدہ تھے کہ معلوم نہیں ان کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے کعبہ معظّمہ کے سامنے کھڑے ہوکر لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ. أَلَا كُلُّ مَأْثُرَةٍ أَوْ دَمٍ أَوْ مَالٍ يُدَّعَى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ، إِلَّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ.

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنَّ اللهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْآبَاءِ. اَلنَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ.

(سیرت ابن ھشام)

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور دشمن گروہ کو رُسوا کیا۔ آ گاہ ہوجاؤ! ہر خاندانی شرف، قصاص یا مال کا دورِ جاہلیت میں دعویٰ کیا جاتا تھا، وہ میرے ان دو قدموں کے نیچے ہے سوائے بیت اللہ کی خدمت اور حاجیوں کو پانی پلانے کے۔

''اے قبیلہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور اپنے آباء و اجداد پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔''

پھر آپ ﷺ نے قریش کو مخاطب کرتے ہوئے ان سے پوچھا:

مَا تَرَونَ اَنِّی فَاعِلٌ بِکُمْ؟

'تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟'

انہوں نے جواب دیا:

خَیْرًا، اَخٌ کَرِیْمٌ، وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ.

''ہم بھلائی کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔''

اِس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اِذْهَبُوا، فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ. (سیرت ابن هشام۔ تاریخ الطبری)

''تم چلے جاؤ! تم آزاد ہو (اور آج کے دن تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا)۔''

قریش مکہ کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا لیکن حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے قول وفعل میں ہر جگہ امن و محبت، برداشت و رواداری اور معافی کے مظاہر پیش کیے۔ گویا پہلی وحی کے آغاز کے وقت ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو شروع ہونے والا عظیم اور نادر المثال انسانیت دوستی اور امن کا سفر کعبہ معظّمہ کے صحن میں ۱۱ فروری ۶۳۰ء کو مکمل ہوا۔ یہ وہ دن تھا جب انسانیت کو افتخار اور عظمت و توقیر ملی۔ یہ دن محبت و رواداری، امن و آشتی، صلح جوئی اور خیر سگالی کا دن تھا۔

انسانی حقوق کا عالمی چارٹر: خطبہ حجۃ الوداع

اس کے بعد نو ذوالحجہ کا دن آیا، جب ہجرت کے دس سال مکمل ہوئے۔ آپ ﷺ اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری سال میں حج کے لیے مکہ معظّمہ تشریف لائے اور ۷ مارچ ۶۳۲ء کو آپ ﷺ نے سوا لاکھ کے مجمع سے اپنا تاریخی خطبہ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کی ایک عظیم کام یابی تھی؛ ایسی کام یابی جو صبر و استقلال، ثابت قدمی، بلند ہمتی، معافی، رحمت و مودت اور اخلاقیات سے بھری پڑی تھی۔ سیرت ابن ہشام، تاریخ الطبری، کتاب الاموال، البدایۃ والنہایۃ اور سیرت و تاریخ کی تمام بنیادی کتب میں خطبہ حجۃ الوداع کم و بیش درج کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے اپنے اس خطبہ میں درج ذیل بنیادی انسانی حقوق اور اعلیٰ اخلاق و روحانی اقدار کی طرف انسانیت کی راہنمائی فرمائی:

☆ آپ ﷺ نے human equality کا اعلان کرتے اور ہر طرح کے نسلی امتیازات و قبائلی تفاخر کا خاتمہ کا اعلان فرمایا۔

☆ آپ ﷺ نے دور جاہلیت کے تمام خون معاف کرنے، جھوٹی نخوتوں، جاہلی فخر و مباہات اور سود کو ختم کرنے کا اعلان فرمایا اور آپ ﷺ نے اِصلاحی تحریک کا آغاز اپنے خاندان سے کیا۔

☆ آپ ﷺ نے انسانی زندگی کو حرمت اور وقار عطا کیا اور اسے کعبہ کی حرمت سے بھی برتر قرار دیا۔

☆ آپ ﷺ نے قتل اور دہشت گردی کو کفر سے تعبیر فرمایا:

اَلاَ! فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ ضُلَّالًا یَّضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

''دیکھو کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ہی کشت و خون کرنے لگو۔''

☆ آپ ﷺ نے خواتین کے حقوق (women rights) بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیونکہ وہ تو تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لئے وہ کچھ نہیں کرسکتیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انہیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔''

☆ آپ ﷺ نے خادموں (workers and servants) کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَرِقَّآءَکُمْ اَرِقَّاءَکُمْ، اَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ، وَاکْسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ۔

''اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو، انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔''

معاہداتِ نبوی کا مقصد وحید: قیامِ اَمن وفروغِ محبت

اب ہم عہد نبوی میں ہونے والے معاہدات میں سے چند کا ذکر کریں گے جن سے ثابت ہوگا کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ دنیا میں امن و محبت کے فروغ کے لیے عملی کاوشیں کیں اور آپ ﷺ دنیا میں امن کے پیامبر (peacemaker) بن کر تشریف لائے تھے۔

میثاقِ مدینہ

مدینہ منورہ آمد کے بعد آپ ﷺ نے یہودِ مدینہ سے ایک معاہدہ و میثاق کیا جسے ''موادعہ'' کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام کہتے ہیں کہ ''موادعہ'' انسانی تاریخ کا پہلا تحریری دستور تھا جس پر اسلامی ریاستِ مدینہ کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ ''موادعہ'' مسلمانوں، یہود اور مدینہ کے دیگر غیر مسلم قبائل کے مابین تھا جو ان کے اتحادی تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہود اور غیر مسلموں کے ساتھ معاہدۂ اَمن کرتے ہوئے تمام religions اور cultures کو اکٹھا کرکے multi-cultural معاشرے کی بنیاد رکھی اور انہیں ایک اکائی میں پرو دیا۔ یہ معاہدہ non-aggression اور تشدد کی نفی کا معاہدہ تھا اور یہی ''موادعہ'' کا مفہوم ہے۔ یہاں ہم ۶۳ آرٹیکلز پر مشتمل اس معاہدے میں سے صرف آرٹیکل نمبر ۲۸ بیان کریں گے:

إنّ يَهُودَ بَنِى عَوْفٍ أُمّةٌ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ، لِلْيَهُودِ دِينُهُمْ وَلِلْمُسْلِمِيْن دِينُهُمْ، مَوَالِيهِمْ وَأَنْفُسُهُمْ.

(سیرت ابن هشام، ۲:۴۹۹۔ كتاب الأموال لابن زنجويه، ۱:۳۹۴۔ البداية والنهاية، ۳:۲۲۵)

''بے شک یہودِ بنی عوف، مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی اُمت قرار دیے جاتے ہیں مگر یہود کے لیے ان کا اپنا دین ہوگا اور مسلمانوں کے لیے ان کا اپنا۔ اُمت ہونے میں وہ خود بھی شامل ہوں گے اور دونوں طبقات کے موالی بھی۔''

آج سے چودہ صدیاں قبل ہونے والے اِس معاہدے کی رُو سے یہود اور مسلمان ایک امت اور ایک قوم بن گئے ہیں۔ ہم آج integration کی بات کرتے ہیں جب کہ ہم مسلمانوں میں ایسے افراد بھی ہیں جو آج isolation کا پرچار کرتے ہیں۔ وہ معاشرتی استحکام نہیں چاہتے اگرچہ وہ خود معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں لیکن معاشرے کی سیاسی، سماجی معاشی معاملات میں حرکی کردار ادا نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو تاجدارِ کائنات ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے سبق لینا چاہیے۔ آپ ﷺ نے بنوعوف کے ساتھ ساتھ ان کے اتحادیوں اور دیگر قبائل کو بھی شامل فرمایا۔

معاہدۂ حدیبیہ

اسی طرح سن ۶ ہجری یعنی فروری ۶۲۸ء میں جب حضور نبی اکرم ﷺ اپنے پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مکہ مکرمہ عمرہ کے لیے تشریف لائے تو قربانی کے جانور بھی ساتھ لائے۔ آپ ﷺ عمرہ کی ادائیگی کے بعد پُراَمن واپسی چاہتے تھے اور آپ ﷺ کا جنگ و جدل کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن اہل مکہ نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ بالآخر طویل مذاکرات کے بعد فریقین کے مابین ایک معاہدہ طے پا گیا جسے معاہدۂ حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ یہاں

ہم معاہدہ کے صرف تین آرٹیکلز بیان کریں گے جن سے آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے قیامِ اَمن کے لیے کن حالات میں اور کس قدر کاوشیں کیں۔

۱۔ پہلے آرٹیکل کے مطابق یہ طے پایا کہ مسلمان اِس سال عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں۔

۲۔ دوسرے آرٹیکل کے مطابق مسلمانوں اور قریش مکہ کے مابین دس سالہ معاہدۂ اَمن (peace treaty) طے پا گیا۔

۳۔ تیسرے آرٹیکل کے مطابق یہ طے پایا کہ اگر مکہ کا کوئی غیر مسلم اِسلام قبول کرکے مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے ہاں پناہ لے گا تو مسلمان اُس نومسلم کو پناہ نہیں دیں گے اور اسے اہل مکہ کو لوٹانے کے پابند ہوں گے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ میں پناہ لے لیتا ہے تو وہ اسے نہیں نکالیں گے۔ گویا یہ شق سراسر یک طرفہ تھی۔

(صحيح بخاری، كتاب الشروط)

جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لکھو کہ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور کفارِ مکہ کے مابین طے پا رہا ہے۔ اِس پر کفارِ مکہ کے نمائندہ سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا کہ ہم آپ کو خدا کا نبی مانتے تو مخالفت کیوں کرتے۔ لہٰذا ہم اُس وقت تک اس معاہدے پر دستخط نہیں کریں گے جب تک آپ رسول اللہ کے الفاظ کاٹ کر صرف اپنا نام ''محمد بن عبد اللہ'' نہیں لکھتے۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے صرف اور صرف قیامِ اَمن کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ''رسول اللہ'' کے الفاظ کاٹ دو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے الفاظ کاٹنے سے انکار کیا تو آپ ﷺ نے خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کاغذ قلم لے کر یہ الفاظ کاٹ دیے، صرف اِس لیے کہ دو قوموں کے مابین معاہدۂ امن ہوجائے اور پوری دنیا کے لیے امن کی بنیاد رکھی جاسکے۔ اس معاہدے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قربانی کے جانور ذبح کرنے کا حکم فرمایا لیکن پندرہ سو صحابہ اتنے پریشان اور مایوس ہوچکے تھے کہ کوئی بھی قربانی کے لیے نہ اٹھا۔ اس پر آپ ﷺ نے اپنی زوجہ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنھا سے مشاورت کی تو انہوں نے مشورہ دیا:

يَا نَبِيَّ اللهِ! أَتُحِبُّ ذٰلِكَ اخْرُجْ، ثُمَّ لَا تُكَلِّمْ أَحَدًا مِنْهُمْ كَلِمَةً حَتّٰى تَنْحَرَ بُدْنَكَ وَتَدْعُوَ حَالِقَكَ. (صحيح بخاری، كتاب الشروط)

''یا نبی اللہ! اگر آپ پسند فرمائیں تو ایسا کریں کہ باہر تشریف لے جائیں اور ان میں سے کسی سے بھی کچھ نہ فرمائیں، یہاں تک کہ اپنی قربانی کے اونٹ ذبح کر لیے جائیں اور حجام کو بلا کر اپنا سر منڈوا لیا جائے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس مشورہ پر عمل کیا تو پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتباعِ رسول ﷺ میں کھڑے ہوگئے اور اُنہوں نے بھی قربانی کے جانور ذبح کرنے شروع کر دیے۔ اس طرح یہ معاملہ انجام پذیر ہوا۔

صلح حدیبیہ بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھی اور بادی النظر میں مسلمانوں نے کمزور شرائط پر کفار سے معاہدہ کیا تھا لیکن یہ درحقیقت ان ناقدین کے لیے زبردست جواب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ اِس معاہدے کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ پیغام دیا ہے کہ ممکنہ حد تک جنگ و جدال سے احتراز کیا جائے تاآنکہ اپنے دفاع کے لیے جنگ کرنا لازم ہوجائے۔ تمام مسائل کا حل مذاکرات اور پُرامن مکالمہ کے ذریعے تلاش کیا جائے کیونکہ 'اَمن برائے اِنسانیت' ہی اِسلام کا حقیقی مقصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اِس معاہدہ کو فتح مبین قرار دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ (الفتح، ۴۸:۱)

''(اے حبیبِ مکرم!) بے شک ہم نے آپ کے لیے (اسلام کی) روشن فتح (اور غلبہ) کا فیصلہ فرما دیا۔ (اس لیے کہ آپ کی عظیم جدّوجہد کامیابی کے ساتھ مکمل ہوجائے) ۝''

معاہدۂ نجران

اِسی طرح معاہدۂ نجران بھی بہت معروف ہے۔ یہ

معاہدہ آپ ﷺ نے کوہ طور کے قریب رہنے والے Saint Catherine کے باشندوں سے کیا تھا۔ اِس معاہدہ کی نمایاں شرائط یہ تھیں:

وَلِنَجرَانَ وَحَاشِيَتِهَا ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللهِ، عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَأَرْضِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَرَهْبَانِيَّتِهِمْ وَأَسَاقِفَتِهِمْ وَغَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ وَغَيْرِهِمْ وَبَعْثِهِمْ وَأَمْثِلَتِهِمْ، لَا يُغَيَّرُ مَا كَانُوْا عَلَيْهِ، وَلَا يُغَيَّرُ حَقٌّ مِنْ حُقُوقِهِمْ وَأَمْثِلَتِهِمْ، لَا يُفْتَنُ أُسْقُفٌ مِنْ أُسْقُفِيَّتِهِ، وَلَا رَاهِبٌ مِنْ رَهْبَانِيَّتِهِ، وَلَا واقف مِنْ وقافيته، عَلَى مَا تَحْتَ أَيْدِيْهِمْ مِنْ قَلِيْلٍ أَوْ كَثِيْرٍ، وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ رَهَقٌ.

’’اللہ اور اُس کے رسول محمد ﷺ، اہلِ نجران اور ان کے حلیفوں کے لیے اُن کے خون، ان کی جانوں، ان کے مذہب، ان کی زمینوں، ان کے اموال، ان کے راہبوں اور پادریوں، ان کے موجود اور غیر موجود افراد، ان کے مویشیوں اور قافلوں اور اُن کے استھان (مذہبی ٹھکانے) وغیرہ کے ضامن اور ذمہ دار ہیں۔ جس دین پر وہ ہیں اس سے ان کو نہ پھیرا جائے گا۔ ان کے حقوق اور اُن کی عبادت گاہوں کے حقوق میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی۔ نہ کسی پادری کو، نہ کسی راہب کو، نہ کسی سردار کو اور نہ کسی عبادت گاہ کے خادم کو- خواہ اس کا عہدہ معمولی ہو یا بڑا - اس سے نہیں ہٹایا جائے گا، اور ان کو کوئی خوف وخطر نہ ہوگا۔‘‘

(الطبقات الكبرى، ١:٢٨٨، ٣٥٨۔ كتاب الخراج لأبى يوسف:٧٨۔ كتاب الأموال لأبى عبيد قاسم: ٢٤٤-٢٤٥، رقم:٥٠٣۔ كتاب الأموال لابن زنجويه:٤٤٩-٤٥٠، رقم: ٧٣٢۔ فتوح البلدان للبلاذرى: ٩٠)

امام حمید بن زنجویہ نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد بھی عہد صدیقی میں یہی معاہدہ نافذ العمل رہا، پھر عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں حالات کی تبدیلی کے پیش نظر کچھ ترامیم کی گئیں مگر غیر مسلموں کے مذکورہ بالا حقوق کی حفاظت و ذمہ داری کا وہی عمل کامل روح کے ساتھ برقرار رہا۔

اسلام کا وسیع تصورِ نیکی

اِن معاہدات سے بھی مترشح ہو جاتا ہے کہ اِسلام صرف مذہب یا عقیدہ نہیں بلکہ ایک civilization ہے۔ اِسلام سے مراد رنگ و نسل کا امتیاز نہیں اور نہ ہی اِس کا مقصد معاشی استحصال ہے بلکہ اس کا مقصد غربت و افلاس کا خاتمہ، قحط سالی کو مٹانا اور بے گھروں کو گھر دینا ہے۔ اسلام خواتین کے حقوق کے تحفظ کا نام ہے اور اسلام ماحولیاتی (environmental and ecological) تحفظ کا بھی نام ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. (آل عمران،۳:۹۲)

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان اقدس ہے:

ليس المؤمن الذى يشبع وجاره جائع. (الأدب المفرد للبخارى: ٥٢، رقم: ١١٢)

’’وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے لیکن اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے درج ذیل حدیث مبارکہ میں sharing ،social and economic support of resources اور فلاحی معاشرے کا تصور دیا ہے:

طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الاثْنَيْنِ، وَطَعَامُ الاثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ، وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ. (صحیح مسلم)

’’ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں (کی زندگی بچانے) کے لیے کافی ہے، اور دو کا کھانا چار (کی زندگی بچانے) کے لیے کافی ہے اور چار کا کھانا آٹھ آدمیوں (کی زندگی بچانے) کے لیے کافی ہوتا ہے۔‘‘

اِس سے مراد ہے کہ اگر ایک آدمی کے پاس کھانا ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ دیگر اَفرادِ معاشرہ کو بھی اس میں شامل کرے اور ان کی بھوک مٹانے کے لیے عملی اقدامات کرے۔

اِسی طرح اسلام غلامی کی بھی مخالفت کرتا ہے۔ یہ اسلام پر الزام ہے کہ یہ غلامی کو فروغ یا تحفظ دیتا ہے۔ تمام قدیم تہذیبوں میں غلامی کا تصور پایا جاتا تھا اور اسلام سے بھی ہزاروں سال قبل غلامی موجود تھی۔ مشرق سے مغرب تک کوئی بھی ملک ہو، اس میں غلامی موجود تھی۔ یہ صورتِ حال اسلام کے لیے بین الاقوامی سطح پر ایک بہت بڑا چیلنج تھی جسے اسلام نے بالآخر اپنے اصلاحی اقدامات کے ذریعے ختم کر دیا۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُo فَکُّ رَقَبَةٍo اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍo یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍo اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍo (البلد، ۹۰:۱۲-۱۶)

’’اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہےo وہ (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہےo یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)o قرابت دار یتیم کوo یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہےo‘‘

غربت و افلاس کا خاتمہ اور بھوکے کو کھانا کھلانا اسلام کے نزدیک انتہائی اعلیٰ نیکی ہے کیونکہ اسلام معاشی و معاشرتی خوش حالی کی تلقین کرتا ہے۔ آج کے دور میں سیاسی و سماجی غلامیاں مسلمانوں کو جھنجھوڑ اور خوابِ غفلت سے بیدار کر رہی ہیں کہ وہ سیاسی و سماجی غلامی کے خاتمہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور آمرانہ، جابرانہ اور فوجی طرزِ حکمرانی کو ترک کرکے جمہوریت، انسانی آزادی، انسانی اقدار اور مساوات کی طرف قدم بڑھائیں۔ حکومت کی باگ ڈور عوام کے ہاتھ میں ہونی چاہیے نہ کہ آمروں کے پاس۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے عدل و مساوات پر مبنی جمہوری نظام عطا کیا تھا جس میں کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

خواتین اور خادموں کے حقوق

آپ ﷺ نے مرد و زن کی برابری کا بھی درس دیا اور خواتین کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی۔ آپ ﷺ نے خانگی تشدد اور جبری شادیوں سے منع فرمایا۔ اسلام شوہر کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی بیوی یا خادم کو مارے۔ یہ سراسر غیر اسلامی فعل ہے۔ اسلام شوہروں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی بیویوں اور خادموں کا احترام کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا:

مَا تَقُولُ فِي نِسَائِنَا؟

’’آپ ہماری عورتوں کے بارے میں کیا ہدایات فرماتے ہیں؟‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا:

أَطْعِمُوهُنَّ مِمَّا تَأْكُلُونَ، وَاكْسُوهُنَّ مِمَّا تَكْتَسُونَ، وَلَا تَضْرِبُوهُنَّ وَلَا تُقَبِّحُوهُنَّ.

’’اس میں سے انہیں کھلاؤ جو تم کھاتے ہو، اور اس میں سے انہیں پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔ انہیں نہ مارو اور ان سے برے لفظ نہ کہو۔‘‘

(سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، رقم: ۲۱۴۴)

یعنی عورتوں کو وہی خانگی حقوق دو جو تم خود لیتے ہو۔ اِسلام کی رُو سے خواتین کے بے عزتی کرنا مکمل طور پر ممنوع ہے۔ انہیں خانگی و مذہبی زندگی اور معاشرتی و معاشی زندگی میں مردوں کے برابر عزت و توقیر حاصل ہے۔

اے مسلمان! ان حقیقی تعلیمات کی روشنی میں تجھے بیدار ہونا ہوگا۔ لہٰذا آگے بڑھ اور اسلام کے نام پر لگائے جانے تمام داغ دھو ڈال اور یہ ثابت کر دے کہ اسلام ہی دنیا کا بہترین ترقی پسند (progressive) دین ہے اور مسلمان دنیا کی سب سے ترقی پسند قوم ہیں۔ اس حقیقت کو منوائیں

کہ مسلمان ہی حقوقِ نسواں کے بانی ہیں جنہوں نے خواتین کو مرد کے برابر حقوق عطا کیے اور ناموسِ نسواں کا تصور دیا۔

جبری شادیوں کی ممانعت

اِسلام ہی وہ مذہب ہے جس میں جبری شادی کا کوئی تصور نہیں کیونکہ شادی عورت کا حق ہے، والدین کو اس پر جبر کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ اس کی ایک مثال ہمیں آج اس صورت بھی نظر آتی ہے کہ بیرون ملک موجود احباب اپنے رشتہ داروں (بھانجوں اور بھتیجوں وغیرہ) کا ویزہ لگوانے کے لیے اپنی بچیوں کا نکاح زبردستی ان سے کردیتے ہیں۔ حالانکہ یہ اسلام کی تعلیمات کے کلیتاً منافی ہے۔ صحیح بخاری، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور جامع ترمذی میں حضرت خنساء بنت حزام انصاریہ سے مروی ہے کہ:

إن أباها زوجها وهي ثيب، فكرهت ذلك، فأتت رسول الله ﷺ فردّ نكاحها.

''ان کے باپ نے ان کا نکاح کردیا درآنحالیکہ وہ بیوہ تھیں اور ان کو یہ نکاح ناپسند تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے اس نکاح کو رد کردیا۔''

حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت عطاء بن ابی رباح سے مروی ایک اور روایت میں ایک کنواری لڑکی کے نکاح کے بارے میں ہدایات ملتی ہیں کہ جس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف شادی کردی تو آپ ﷺ نے اس نکاح کو ردّ فرما دیا۔ امام دارقطنی کے ہاں اس حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

فرق رسول الله ﷺ بين امرأة وزوجها وهي بكر، أنكحها أبوها وهي كارهة.

''رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت اور اس کے خاوند کے مابین تفریق کروا دی حالانکہ وہ باکرہ تھی۔ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح کیا تھا۔''

اس مضمون کی متعدد احادیث وارِد ہوئی ہیں جن میں آپ ﷺ نے لڑکی کو نکاح قبول یا ردّ کرنے کا اختیار دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

إِنَّ جَارِيَةً بِكْرًا أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ، فَذَكَرَتْ لَهُ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ ﷺ. (سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب من زوج ابنته وهي كارهة، ١:٦٠٣، رقم:١٨٧٥)

''ایک کنواری لڑکی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں آئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے باپ نے میرا نکاح زبردستی کر دیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے فسخ کا اختیار دے دیا۔''

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

جَاءَتْ فَتَاةٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: إِنَّ أَبِي زَوَّجَنِي ابْنَ أَخِيهِ لِيَرْفَعَ بِي خَسِيسَتَهُ، قَالَ: فَجَعَلَ الْأَمْرَ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ: قَدْ أَجَزْتُ مَا صَنَعَ أَبِي، وَلَكِنْ أَرَدْتُ أَنْ تَعْلَمَ النِّسَاءُ أَنْ لَيْسَ إِلَى الْآبَاءِ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ. (سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب من زوج ابنته وهی كارهة، ١:٦٠٢، رقم: ١٨٧٤)

''ایک لڑکی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کر دیا ہے کہ میرے ذریعہ سے اپنی مفلسی دور کرے۔ آپ ﷺ نے اُسے فسخ کا اختیار دے دیا۔ اس نے عرض کیا: میں والد کے نکاح کو برقرار رکھتی ہوں لیکن میں نے یہ اس لیے کیا کہ آپ عورتوں کو بتلا دیں کہ اولاد کے نکاح کے معاملے میں والدین کا ان پر کوئی حق نہیں۔''

اِس حدیث مبارکہ سے ہمیں ایک اور رہنمائی ملتی ہے کہ جبری شادیوں کی ایک اہم وجہ cousins marriages ہیں۔ بسا اوقات والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کا بیٹا/ بیٹی ان کے بھتیجی/ بھانجی، بھتیجے/ بھانجے سے شادی کرلے تاکہ گھر کی دولت بھی گھر میں رہے اور بیرون ملک مقیم ہونے کی صورت میں اس کا ویزہ وغیرہ بھی لگ

جائے۔ حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے صراحتاً cousins marriages کی ممانعت بیان فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَنْكِحُوا الْقَرَابَةَ الْقَرِيْبَةَ، فَإِنَّ الْوَلَدَ يُخْلَقُ ضَاوِيًا.

’’اپنے قریبی رشتہ داروں میں نکاح مت کرو، کیونکہ اس طرح تمہارے بچے ناقابل علاج بیماریوں کا شکار ہوں گے۔‘‘

یہ قانونی ممانعت نہیں ہے بلکہ medical reasons کی بناء پر ایسی شادیوں کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بنو سائب کے لوگوں سے فرمایا: تمہارے بچے ناقابل علاج بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں، لہٰذا تم (ان اَمراض سے بچنے کے لیے) اپنے خاندان سے باہر کی عورتوں سے شادی کیا کرو۔ (عیون الاخبار، تلخیص الحبیر، کنز العمال)

اسلام نے جو حقیقت آج سے چودہ سو سال پہلے آشکار کردی، سائنس آج اس نکتے پر پہنچ رہی ہے کہ قریبی رشتہ داروں میں شادی کرنے سے بیمار بچے پیدا ہوتے ہیں۔

نزولِ وحی اور تحریکِ علم و شعور

اسلام صرف مذہب ہی نہیں بلکہ ایسی تہذیب ہے جو علم و شعور، آگہی، خواندگی، تعلیم و تعلم اور اَرضی و آفاقی حقائق کو جاننے کا نام ہے۔ اس تہذیب کی بنیاد خوب صورت انسانی اقدار اور اخلاقیات پر استوار ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو ایسے ملحد و لادین عرب معاشرے میں مبعوث فرمایا گیا جو کلیتًا جاہل، ناخواندہ اور غیر مہذب تھا۔ عرب پڑھنے لکھنے سے مکمل طور پر عاری تھے۔ امام بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ ایک metropolitan city تھا لیکن اس کی دس لاکھ آبادی میں سے تقریباً پندرہ نفوس لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ تعلیمی سطح کے اعتبار سے اس طرح کے معاشرے میں حضور نبی اکرم ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ حصولِ علم اور پڑھنے کے حکم پر مشتمل تھی۔

اللہ رب العزت کا فرمان اقدس ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَo خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍo اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُo الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِo عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْo (العلق، ۹۶:۱-۵)

’’(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیئے، جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایاo اس نے انسان کو (رحم مادر میں) جونک کی طرح معلق وجود سے پیدا کیاo پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہےo جس نے قلم کے ذریعے (لکھنے پڑھنے کا) علم سکھایاo جس نے (سب سے بلند رتبہ) انسان (محمد مصطفیٰ ﷺ) کو (بغیر ذریعہ قلم کے) وہ سارا علم عطا فرما دیا جو وہ پہلے نہ جانتے تھے۔‘‘

پہلی وحی کے آفاقی مضامین

یہ آیاتِ کریمہ غارِ حرا میں تاجدارِ کائنات ﷺ پر ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو نازل ہوئیں۔ ان پانچ آیات پر مشتمل اِس پہلی وحی میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نو الفاظ بیان فرمائے:

۱۔ پڑھنا ۲۔ خالق ۳۔ مخلوق ۴۔ کائنات
۵۔ انسانیت ۶۔ علم ۷۔ تعلیم ۸۔ قلم ۹۔ تحقیق و جستجو

ان پانچ آیات میں نو موضوعات کا بیان اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ یہ پہلی وحی ناخواندگی اور جہالت کے لیے ایک چیلنج تھی۔ قرآن حکیم اور حضور نبی اکرم ﷺ نے معاشرے کی اصلاح اور اسے تہذیب یافتہ بنانے کی جدوجہد شروع کی اور ہر فرد کو لکھنے پڑھنے، تحقیق و جستجو اور کائنات کے مخفی حقائق تک رسائی کا راستہ دکھایا۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ نے دینِ اسلام کی تحریک کا آغاز علم اور سائنس کے پیغام سے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اَفرادِ معاشرہ پر تعلیم و تحقیق اور سائنس کے حصول پر بہت زیادہ زور دیا۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر بن

خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قام فينا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقامًا، فأخبرنا عن بدء الخلق حتى دخل أهل الجنة منازلهم و أهل النار منازلهم، حفظ ذٰلک مَن حَفِظَه و نَسِيَه مَن نَسِيَه۔ (صحيح بخاری، کتاب بدء الخلق، ۳:۱۱۶٦، رقم: ۳۰۲۰)

”ایک دن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخلوق کی پیدائش کا اِبتدا سے ذِکر فرمانا شروع کیا یہاں تک کہ جنتی اپنے مقام پر پہنچ گئے اور دوزخی اپنے مقام پر (یعنی ابتدائے خلق (Creation of Universe) سے لے کر اہلِ جنت کے جنت میں داخل ہونے اور ان کے منازل تک پہنچنے اور اہلِ جہنم کے جہنم میں داخلے اور ان کے ٹھکانے تک سب کچھ بیان فرما دیا)۔ پس اس بیان کو جس نے جس قدر یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے جو کچھ بھلا دیا وہ بھول گیا۔“

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لقد ترکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وما يحرّک طائر جناحيه في السّماء إلا أذْكَرَنَا منه علماً۔

(مسند أحمد بن حنبل، ۵: ۱۵۳)

”اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہم سے رخصت ہوئے تو (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قدر علم بیان فرمایا کہ) آسمانی فضا میں ایک پرندہ جو اپنے پروں کو حرکت دیتا ہے (وہ کیسے حرکت دیتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا علم بھی ہمیں بتا دیا تھا۔“

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوانینِ حرکت اور فضائے بسیط میں اُڑنے کے ضوابط آج سے چودہ سو سال پہلے بیان فرما دیئے جن پر موجودہ دور میں aviation science کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ آپ ذرا اپنی چشمِ تصور کو چودہ صدیاں پیچھے لے جائیں کہ جب ہر طرف جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے؛ اونٹوں، خچروں، گدھوں یا گھوڑوں پر سفر کیا جاتا تھا اور کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی سواریاں ہوں گی؛ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس دور میں بیان فرما دیا کہ لوگ mechanical energy سے چلنی والی سواریاں بھی استعمال کریں گے جیسے ہوائی جہاز، موٹر سائیکل، کار وغیرہ۔ حالانکہ اُس دور میں علم و سائنس کا کوئی تصور نہیں تھا، mechanical ترقی کا کوئی خیال نہیں تھا، industry اور technology کا کوئی نام و نشان نہیں تھا اور نہ ہی انسانی وسماجی ترقی کا کوئی وجود تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مری ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سيکون في آخر هذه الأمة رجال يرکبون علی المياثر۔ (المستدرك للحاكم، ٤:٤٨٣، رقم:٨٣٤٦)

”میری اُمت کے دورِ اواخر میں لوگ گوشت پوست اور ہڈیوں کے جانوروں کی بجائے دوسری سواریوں (یعنی موٹر گاڑیوں وغیرہ) پر سفر کریں گے۔“

اِس حدیث مبارکہ سے مراد ہے کہ عنقریب اُمتِ محمدیہ کے لوگ گوشت پوست کی سواریوں کی بجائے mechanical technology سے بنی ہوئی سواریاں استعمال کریں گے۔ اِس سے جہاں سواریوں میں ترقی کا عندیہ ملتا ہے وہیں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ شہر اور ان میں پنپنے والی تہذیبیں وسعت پذیر ہوجائیں گی اور لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے جدید ٹیکنالوجی کی حامل سواریوں کا استعمال کریں گے۔

اس کی وضاحت حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی اِس حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمان و مکان (time and space) اور ناممکن فاصلے سمٹنے سے متعلق دورِ جدید کی سائنسی ترقی کے بارے میں فرمایا:

لا تقوم السّاعة حتی يتقارب الزمان وتزوی الأرض زيا۔ (كنز العمال، ١٤: ٢٨٨٦)

”اس وقت تک قیامت بپا نہیں ہوگی جب تک زمانے (وقت) کی اکائیاں اور زمین کے فاصلے سمٹ کر ایک دوسرے کے بالکل قریب نہ آجائیں۔“

حدیثِ ابوزاہریہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن الله تعالی قال: أبثّ العلم فی آخر الزمان حتی یعلمه الرجل والمرأة والعبد والحرّ والصغیر والکبیر، فإذا فعلت ذالک بهم أخذتهم بحقی علیهم۔ (سنن دارمی، ۱: ۹۲، رقم، ۲۵۳)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں آخری زمانہ میں علم کو (دنیا کے گھر گھر میں) خوب پھیلا دوں گا حتی کہ مرد و زن، غلام و آزاد اور چھوٹے، بڑے سب اس کو پا لیں گے۔ پس جب میں لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ کر لوں گا تو پھر ان پر اپنے حقِ واجب کی بنا پر ان کی گرفت بھی کروں گا۔“

تاجدارِ کائنات ﷺ نے ہمیں ٹی۔ وی، انٹرنیٹ، الیکٹرانک میڈیا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے بارے میں بھی خبر دی اور واضح کر دیا کہ جاسوسی، سکیورٹی اور نگرانی کرنے والے مختلف آلات بھی تیار ہوں گے۔ آپ ﷺ نے قسم کھاتے ہوئے فرمایا:

والذی نفسی بیده! لا تقوم الساعة حتی تکلم السباع الإنس، و حتی تُکلّم الرجل عذبة سوطه، وشراک نعله، و تخبره فخذه بما أحدث أهله بعده۔ (جامع ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی نسخ الکلام ٤:٤٧٦، رقم: ٢١٨١)

”اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! قیامت اس وقت تک بپا نہیں ہوگی جب تک (عالم انسانیت اِتنی ترقی نہ کر جائے کہ) بہائم (تفتیشی کتے اور دیگر جانور) انسان سے ہم کلام ہوں اور آدمی کے چابک کا دستہ اور اس کے جوتے کا تسمہ اس سے کلام کرے (مراد ٹیلی کمیونیکیشن اور انٹیلی جنس کے حساس خفیہ آلات ہیں یعنی سائنسی ترقی کے ذریعے ان میں سے آوازیں آنے لگیں گی اور وہ معلومات فراہم کریں گی)۔ اسی طرح انسان کی ران (مراد انسانی اعضاء کی مانند جاسوسی کے آلات) اسے خبر دے گی کہ اس کے بعد اس کے گھر والے کیا کرتے رہے ہیں۔“

اس حدیث نبوی میں دور جدید کے ان تمام صوتی و سمعی آلات یعنی ٹیلی فون، کمپیوٹر، الیکٹرانک آلات (electronic devices) اور الیکٹرانک سسٹم کا اشارہ فرما دیا گیا ہے جو تفتیش و تحقیق، مخبری و جاسوسی اور ترسیلات و مواصلات کے سلسلے میں استعمال ہورہے ہیں۔

ترقی پسند اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کا اِعتراف

یہاں ہم نے سیرت طیبہ سے صرف چند مثالیں دینے پر اکتفا کیا ہے کہ کس طرح آج سے چودہ صدیاں قبل آپ ﷺ نے ایسے حقائق بیان فرما دیئے جن کا تصور بھی اُس وقت کوئی نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ ایک ایسی تہذیب کی بنیاد رکھ رہے تھے جو علم و تحقیق اور سائنس و ٹیکنالوجی پر استوار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ کے ایک دو صدیاں بعد ہی مسلم تہذیب و ثقافت اتنی ترقی کر گئی کہ مسلمانوں نے دوسری قوموں کی رہنمائی کرنا شروع کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ اَغیار بھی اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ نام ور مستشرق تھامس آرنلڈ نے لکھا ہے:

Islamic Cordova in the time of Islamic rule had become the most civilized city in Europe, the wonder, and admiration of the world, a Vienna among the Balkan state.

”اسلامی دور حکومت میں قرطبہ یورپ کا مہذب ترین شہر تھا۔ ریاستِ بلکان میں ویانا کو دنیا کے قابلِ تعریف اور عجیب ترین شہر کا درجہ حاصل تھا“۔

جب کہ Rosenthal کا کہنا ہے:

In Muslim days Cordova had become the centre of civilization and one of the greatest seats of learning in the world.

’’مسلمانوں کے دورِ حکومت میں قرطبہ تہذیب کا مرکز تھا اور علم کے حصول کے لئے دنیا کی سب سے عظیم جگہ تھی۔‘‘

دمشق، حلب، بغداد، موصل، مصر، بیت المقدس، بعل بک، نیشا پور، خراسان وغیرہ کی صورت حال بھی قرطبہ سے مختلف نہ تھی۔ یہ شہر اسکولز، کالجز، میڈیکل کالجز اور یونیورسٹیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ یہاں سائنسی ترقی و تحقیق، علم و شعور اور آگہی کا اخلاق و انسانی اقدار کی بنیاد پر رکھا گیا وہ کلچر تھا جو تاجدارِ کائنات ﷺ نے آج سے چودہ صدیاں قبل متعارف کرایا تھا۔

اِسلام آسانی اور اعتدال کا دین ہے

اپنی گفتگو کے آخری حصے کی طرف آتے ہوئے میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اسلام اعتدال اور میانہ روی کا دین ہے۔ اسلام میں انتہاء پسندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں امام بخاری نے کتاب الإیمان میں درج ذیل عنوان سے ایک باب باندھا ہے:

الدِّينُ يُسْرٌ وَقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ: أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللهِ الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ.

’’دین آسان ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ اقدس ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سیدھا اور معتدل دین زیادہ پسند ہے۔‘‘

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَأَبْشِرُوا، وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ.

’’بے شک دین آسان ہے اور جو اسے مشکل بنائے گا تو یہ اس پر غالب آجائے گا، پس تم سیدھے رہو، ایک دوسرے کے قریب رہو اور بشارت قبول کرو۔ نیز صبح و شام کی عبادت اور صدقہ خیرات سے مدد حاصل کرو۔‘‘

اِسلام ہر معاملے میں اعتدال اور وسطیہ کا حکم دیتا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے تین بار یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ. (صحیح مسلم، ٤:٢٠٥٥، رقم: ٢٦٧٠)

’’بال کی کھال اُتارنے والے ہلاک ہوگئے۔‘‘

اِس تمام تفصیل سے یہ حقیقت اَظہر من الشّمس ہوجاتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ایک آسان دین عطا فرمایا ہے جس میں کوئی سختی نہیں اور جو ہر طرح کے تشدد، انتہاء پسندی اور دہشت گردی کا قلع قمع کرتا ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو پیامبرِ اَمن بننے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہی آج کی اس تاریخی ’اَمن برائے انسانیت کانفرنس‘ کا پیغام ہے جو ہمیں قرآن حکیم اور تاجدارِ کائنات ﷺ کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ قرآن و سنت کا یہ آفاقی پیغام ہر ذی روح تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے تاکہ روئے زمین پر موجود ہر فرد یہ جان لے کہ اسلام صرف اور صرف اَمن و رواداری، محبت و مودت اور ہمدردی کا دین ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے ارد گرد معاشرتی استحکام (social integration) پیدا کریں اور پُراَمن بقائے باہمی کی فضا تخلیق کریں اور باہمی اعتماد اور مکالمہ پر مبنی تہذیب کو فروغ دیں کیونکہ دنیوی و اُخروی کامیابی اِسی میں ہے۔ باری تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

الحدیث:

نبوی تعلیم و تربیت اور فکری انقلاب کا مرکزی نقطہ

علامہ محمد معراج الاسلام

رحمت عالم نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَهُ.

(صحیح مسلم، باب فضل الاحسان علی البنات ۴: ۲۰۲۷)

''جس نے دو بیٹیوں کو پالا یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں، میں اور وہ قیامت کے دن اس طرح اکٹھے آئیں گے (واضح کرنے کے لئے آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملایا)''۔

شرح و تفصیل

عالم عرب دور جہالت میں جس فکری پس ماندگی ذہنی و اخلاقی پستی اور درندگی کا شکار تھا وہ تاریخ عالم سے مخفی نہیں لیکن رحمت عالم ﷺ نے اسے مختصر ترین مدت میں جن انسانی قدروں سے آشنا کیا اس نے انہیں اخلاقیات کے عرشِ علیٰ تک پہنچادیا، وہ ''کیا تھے اور کیا بن گئے'' اس تصویر کے دونوں رخ دیکھ کر آپ بآسانی اس فکری انقلاب کی عظمت کا اندازہ لگانے کے قابل ہوجائیں گے۔

جاہلی عرب کا غیر انسانی خونخوار کلچر

حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت اور قوانین اسلام کی تعلیم و ترویج سے پہلے، عرب کے طول و عرض میں جو تمدن اور رہن سہن عام تھا اسے عرب کا ''جاہلی کلچر'' کہتے ہیں۔ جاہلیت کے اس دور میں جو ''اقدار و روایات'' رواج پا گئی تھیں ان کا انسانیت اور تہذیب و شرافت سے کوئی تعلق نہ تھا، رسم و رواج کے نام پر ایسی حرکتیں تمدن کا حصہ بن گئی تھیں جن کے تصور ہی سے انسانیت کانپ جاتی اور شرافت شرم و حیا کی وجہ سے منہ چھپالیتی تھی چونکہ اللہ کے رسول ﷺ، مکارمِ اخلاق کی تکمیل اور ''اقدارِ انسانی'' کے احیاء کے لئے انسانوں کی اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ اس لئے جب ان کے غیر انسانی، خونخوار کلچر کی تفصیلات سنتے تو آپ کی آنکھیں اشکبار ہوجاتیں اور ان کے ظلم وستم کی تفصیلات سے بے حد کرب محسوس کرتے۔ ''جاہلیتِ اولیٰ'' کی تاریخ، بے رحمی اور بیباکی کی ان داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ صرف اس دور کی بربریت کا اندازہ لگانے کے لئے چند نمائندہ مثالیں پیش کرتے ہیں تاکہ اس عظیم وجلیل اور بے مثل انقلاب کا پتہ چل سکے جو اللہ کے محبوب رسول ﷺ نے مختصر مدت میں عرب کی سرزمین پر برپا کردیا اور افکار و اذہان اور انسانوں کو بالکل بدل کر رکھ دیا تھا۔

پہلی مثال: ننھی منی بیٹی کا سفاکانہ قتل

دارمی کی جامع الصحیح میں یہ ہوش ربا واقعہ مذکور ہے جسے خود راوی نے آپ بیتی کے انداز میں بیان کیا ہے کہ ہم ایک ایسے معاشرے میں زندگی گزار رہے تھے جو بتوں کا پجاری اور خالص جہالت کی پیداوار تھا، بیٹیوں کو بڑی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے اور یہ ستم ڈھاتے ہوئے دل میں یہ خیال تک نہیں لاتے تھے کہ یہ ایک شیطانی اور مکروہ فعل ہے۔

میرے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تو میں نے شعارِ عرب کے مطابق دل میں فیصلہ کرلیا کہ وقت آنے پر صفحہ ہستی سے اس کا نام و نشان مٹادوں گا تاکہ آئندہ زندگی میں کسی کو داماد بنانے کی نوبت ہی نہ آئے اور میں ''سسر'' کہلانے کی ذلت سے بچ جاؤں۔ وہ بیٹی زندگی کی منزلیں طے کرنے لگی اور اپنی پیاری من موہنی صورت اور معصوم حرکتوں کی وجہ سے مرکزِ نگاہ بن گئی جو بھی دیکھتا دیکھتا ہی رہ جاتا۔ چھوٹے بچے اگر بھولی بھالی باتیں کریں اور ماں باپ سے والہانہ پیارکا اظہار کریں تو ویسے ہی پیارے لگنے لگ جاتے ہیں، وہ شخص بتاتا ہے، اسے ننھی بیٹی کے ساتھ انس ہوگیا، جب بھی اسے پکارتا وہ بھاگتی ہوئی اس کی طرف آتی اور گود میں بیٹھ کر خوشی محسوس کرتی۔

ایک دن بدبختی اس پر سوار ہوئی، اس نے بچی کو بلایا تو وہ بھاگتی ہوئی اس کی طرف آئی، باپ نے آہستہ آگے آگے چلنا شروع کردیا، وہ محبت کی ماری بھی پیچھے پیچھے آتی رہی، وہ بتاتا ہے۔

فَمَرَرْتُ حتی اتینا بئرًا مِنْ اهْلِیْ غیْرَ بَعِیدٍ.

ہمارے گھر کے قریب ہی ایک کنواں تھا ہم وہاں پہنچ گئے:

فَاَخَذْتُ بِیَدِهَا فردیت بِها فی البِئْرِ و کان عَهْدِیْ بِهَا اَنْ تَقُوْلَ: یَا اَبَتَاه یَا اَبَتَاه.

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنویں میں دھکا دے دیا وہ آخری وقت تک ابا، ابا ہی پکارتی رہ گئی اور پانی میں ڈوب گئی۔

دوسری مثال: جوان بیٹی کا قتل

بیٹیوں کو زندہ ڈبونے یا زمین میں گاڑنے کی یہ رسم، عرب کے کسی ایک حصے تک محدود نہ تھی، سارا معاشرہ ہی اس ابلیسی حرکت کا دلدادہ تھا اور موقعہ کی تلاش میں رہتا تھا، جونہی دیکھتا کہ موقعہ ہاتھ آگیا ہے تو وہ اپنے کام میں کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ ایک ایسا ہی سنگدل شخص تھا جسے انتظار میں کئی سال لگ گئے یہاں تک کہ بیٹی جوان ہوگئی نکاح کے پیغام آنا شروع ہوگئے، یہی ان لوگوں کی دکھتی رگ تھی۔ اس کی جھوٹی اور غیر انسانی غیرت بھی بیدار ہوگئی، اس نے دل میں فیصلہ کرلیا کہ اب وہ جلد ہی اس مصیبت سے نجات حاصل کرلے گا۔

اپنی بیوی سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کو اپنے رشتہ داروں سے ملوا لاؤں، بیوی بادلِ نخواستہ تیار ہوگئی اور اسے بنا سنوار کر تیار کردیا اور باپ اسے لے کر روانہ ہوگیا یہاں تک کہ ویرانے میں ایک ویران کنویں تک پہنچ گیا اور بیٹی کو معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔ بیٹی سمجھ گئی کہ باپ کی نیت بدل گئی ہے اور وہ اسے ڈبونے پہ تل گیا ہے، وہ کانپ گئی اور موت کے خوف سے باپ کے ساتھ چمٹ گئی اور زارو قطار رونے لگی کہ مجھے قتل نہ کر مگر باپ مصمم ارادہ کرچکا تھا، ایک لمحہ کے لئے ہچکچایا مگر دوسرے ہی لمحے اسے دھکا دے کر پانی میں گرادیا، یہاں تک کہ چیختی چلاتی جوان بیٹی پانی میں ڈوب گئی اور ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔

وہ عمر کے کسی حصے میں بھی مارنے، ڈبونے، زمین میں گاڑنے اور قتل کرنے کے لئے تیار ہوجاتے تھے اور یہ حرکت کرتے ہوئے ایک ہی بات ذہن میں رکھتے تھے کہ اگر یہ زندہ رہی تو اس کا نکاح کرنا اور کوئی شوہر تلاش کرنا پڑے گا۔ جوان کا داماد کہلائے گا۔ وہ اس رشتے کو اپنی گالی کے مترادف سمجھتے تھے اور یہ نہیں سوچتے تھے کہ یہ ایک ربانی

نظام ہے جو بقائے نسل کے لئے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہوا ہے اور مرد و عورت کے جوڑے بنائے ہیں اور خاص حکمت کے تحت ان کے درمیان ''رشتۂ مودت'' قائم کیا ہے جس کی وجہ سے اجنبی مرد و عورت کے مابین ''موانست'' قائم ہوجاتی ہے اور وہ جلد ہی ایک دوسرے کے ساتھ مانوس ہوکر بقائے نسل کا سبب بنتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً.

''اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہی میں سے جوڑے بنائے ہیں تاکہ تم تسکین محسوس کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور پیار کا جذبہ پیدا کردیا ہے''۔ (سورہ الروم: ۲۱)

فکری انقلاب کا آغاز

حضور نبی کریم ﷺ نے خونخوار اور پٹڑی سے اترے ہوئے بے ڈھب معاشرے کی ایسی حکمت عملی اور تدبر سے تربیت فرمائی کہ وہ فیضِ صحبت اور انقلابی تعلیم کی بدولت جلد ہی راہِ راست پہ آ گیا اور ہدایات و ارشادات نبوت کو دل و جان سے قبول کرلیا اور ان تمام غیر انسانی رسوم و روایات کو ترک کردیا جو مہذب اقدار کو گھن کی طرح کھا گئی تھیں اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جو چشمِ فلک نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس معاشرے نے تہذیب و شرافت، انسانی ہمدردی اور اخلاق و مروت کی ایسی شاندار مثالیں قائم کیں جنہیں تاریخ انسانی حیرت سے دیکھتی ہے۔ اور مانتی ہے کہ واقعی ایسے افراد پیدا ہوگئے تھے جن کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ انہوں نے تعلیمات نبوت کی برکت سے خود کو بالکل بدل لیا تھا اور پردۂ غیب سے بالکل نئے انسان بن کر ابھرے تھے۔

وہ کون سی انقلابی تعلیم تھی جس نے ان کے فکر ونظر کے رخ موڑ دیئے اور انہیں بالکل نیا اور پہلے سے مختلف انسان بنادیا۔ پہلے ہم حضور نبی کریم ﷺ کی انقلابی تعلیم اور موثر ترین تربیت کا مرکزی نقطہ بیان کرتے ہیں پھر ان کے مثبت نتائج وثمرات کی شاندار اور کردار ساز مثالیں بیان کریں گے، تاریخ جن کا توڑ نہیں کرسکی اور وہ آج بھی ''اخلاقیات'' کے آسمان پر مہر و ماہ بن کر چمک رہی ہیں۔

نبوی تعلیمات اور فکری انقلاب کا مرکزی نقطہ

سب سے بڑی حقیقت جس نے صحابہ کرام کو غیر معمولی انسان بنادیا اور وہ دل و جاں سے سب کچھ قبول کرنے اور اپنی رسوم کو بدلنے کے لئے تیار ہوگئے، وہ سرکار نبی کریم ﷺ کی محبت اور ان کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی جس نے انہیں دنیا کا منفرد اور مختلف انسان بنادیا وہ زمین پر چلتے پھرتے فرشتے اور جذبۂ فداکاری اور خلوص و ایثار اور نیاز مندی و محبت کی تصویر بن گئے اور عشقِ رسالت میں ایسے مدہوش ہوگئے کہ محبوب کے سوا انہیں کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا فرمودۂ نبوت پر سر جھکا کر عمل کرنا اور ہر کام پر اس کو اولیت دینا ان کی زندگی کی ترجیح بن گیا تھا۔

خصوصاً نبی پاک ﷺ کے وہ ارشادات جن میں انہیں یہ خوش خبری دی گئی تھی کہ ان پر عمل کرنے سے آخرت میں انہیں ان کے محبوب نبی کی سنگت نصیب ہوگی اور وہ جنت میں حضور ﷺ کے ساتھ رہیں گے، اس نے انہیں اعمال خیر کا شائق بنادیا اور بالکل بدل کر رکھ دیا مثلاً

۱. مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ دَخَلْتُ اَنَا وَهُوَ الْجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ وَاَشَارِيَا صَبْعَيْهِ. (ترمذی، ۲: ۱۴)

''جس نے دو بیٹیوں کی پرورش کی، وہ اور میں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح اکٹھے رہیں گے''۔

۲. اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِى الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ. (ایضاً)

''میں اور یتیم کو پالنے والا، ہم دونوں جنت میں ہاتھ کی ان دو انگلیوں کی طرح اکٹھے رہیں گے''۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں:

ایک دفعہ میرے گھر میں ایک نادار عورت آئی

جس کے ساتھ دو بیٹیاں بھی تھیں، میں نے اسے ایک کھجور دی، میرا خیال تھا وہ اس کے تین حصے کر کے دو اپنی دونوں بیٹیوں کو دے دی گی اور ایک خود کھالے گی مگر میری حیرت کی انتہاء نہ رہی جب اس نے کمال ایثار سے کام لیتے ہوئے اس کھجور کے صرف دو حصے کئے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں بیٹیوں کو دے دیا اور بھوکی ہونے کے باوجود خود کچھ نہ لیا، میں اس ایثار و محبت پر ابھی مجسمۂ حیرت بنی بیٹھی تھی کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے اور مجھے غرقِ حیرت دیکھ کر وجہ پوچھی: میں نے ساری صورت حال بیان کردی، سرکار نے اس ایثار کا اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَنِ ابْتُلِیَ بِشَئٍ مِنَ الْبَنَاتِ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النار. (ترمذی، ۲:۱۳)

''بیٹیوں کی ذمہ داری سونپ کر، جس کا امتحان لیا گیا وہ اس کو دوزخ کی آگ سے بچالیں گی''۔

حضور ﷺ کی ایسی ہی خوشخبریاں تھیں جنہوں نے صحابہ میں جوشِ عمل کی بجلیاں بھردیں اور وہ دوزخ سے بچنے اور سرکار کی معیت اور سنگت حاصل کرنے کے لئے اپنی سابقہ زندگی کو بدلنے اور ساری خونخوار رسمیں چھوڑنے کے لئے تیار ہوگئے۔ یہ صرف رحمتِ عالم کی محبت تھی جس کی خاطر وہ رسمِ کہن چھوڑنے اور رسمِ محبت نبھانے پر آمادہ ہوگئے اور شفقت و محبت کا آسمان بن گئے اور صرف انسانوں ہی کو نہیں بلکہ دوسری مخلوق کو بھی اس سائباں تلے لے لیا، ایک عجیب وغریب اور حیرت انگیز مثال یہ ہے:

جرنیل صحابی کی کبوتری پر شفقت

شوقِ شہادت سے سرشار عربی شہسوار صرف اللہ کی رضا کے لئے جنگ کرنے والے پر اسرار بندے ایک جنگی سرزمین پر فروکش ہوئے، کچھ عرصہ کے لئے اس جگہ فوجی کیمپ قائم کرلیا اور عارضی رہائش کے لئے خیمے گاڑ دیئے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب کوچ کرنے کا وقت آیا تو آپ نے حکم دیا، خیمے اکھاڑ کر روانگی کی تیاری کی جائے۔ پتہ چلا ان کے خیمہ میں کبوتری نے انڈے دیئے ہوئے ہیں اگر خیمہ اکھاڑا گیا تو کبوتری بے گھر ہوجائے گی اور اپنے بچوں کی حفاظت نہیں کرسکے گی۔

آپ نے حکم جاری کیا کہ کبوتری اور اس کے بچوں کو بے گھر ہونے سے بچانے کے لئے خیمہ اسی طرح نصب رہنے دیا جائے اور لشکر روانہ ہوجائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، لشکر روانہ ہوگیا اور خیمہ اسی طرح قائم رہا۔ وہ ہاتھ جو بڑی بے رحمی سے بیٹیوں کو زندہ دفن کردیا کرتے تھے، خیمے کو اکھاڑنے کے لئے حرکت میں نہ آئے، صرف ایک کبوتری کی دل آزاری سے بچنے کے لئے، جو نہ ان کی بیٹی تھی اور نہ انسان تھی۔ یہ حیرت انگیز شفقت اس محبت کا نتیجہ تھی جو انہیں اپنے پیارے نبی ﷺ کے ساتھ تھی اور انہوں نے حکم دیا تھا کہ انسان ہی نہیں جو بھی جاں دار مخلوق ہے اس پر شفقت کرو۔ رحمتِ عالم ﷺ کی محبت کے صدقے ایسا انقلاب آیا کہ بیٹیوں پر ترس نہ کھانے والے، کبوتریوں اور چڑیوں پر بھی شفقت کرنے لگ گئے۔

عید میلاد النبی ﷺ

رسول اللہ ﷺ کا رحمت بھرا معاشرتی انقلاب

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سرور عالم ﷺ کی اس عالم رنگ و بو میں آمد، رحمت و برکت کی برکھا ہے، جس سے زمینِ مردہ میں جان آگئی۔ ظلم و جبر کے سرچشمے خشک ہوگئے۔ عدل و مساوات کے نام سے ناآشنا کان، مہر و محبت کے سُریلے نغموں سے سرشار ہوئے۔ جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو نشان منزل ہی نہیں، منزل مل گئی۔ ظلم و استبداد کے خونی پنجوں میں سسکتی زندگی کو پھر سے توانائی ملی۔ ظلم و جہالت کے زنجیروں میں جکڑی انسانیت کو رہائی ملی۔ جورو جبر کی زنجیریں ایک ایک کرکے ٹوٹنے لگیں۔ غلامی کے طوق و سلاسل ریزہ ریزہ ہوگئے۔ بادِسموم سے زندگی کے مرجھائے چہرے بادصبا کے تازہ جھونکوں سے کھلنے لگے۔ یتیموں، بیواؤں، غلاموں، مظلوموں کے بہتے آنسو تھم گئے۔ مٹی سے سونا بنانے والے، دست دولت آفریں، کی عزت بحال ہوگئی۔ غلاموں اور دبے ‌ِگروں کو سریر سلطنت پر بٹھایا گیا۔ دھتکارے پھٹکارتے ہوؤں کو، قیصر و کسریٰ کا وارث بنادیا۔ جہالت کے پتلوں کو کائنات کا مُعلّم بنادیا۔ اپنی اولاد پر ترس نہ کھانے والوں کو یتیموں کا والی بنادیا۔ بے ڈھب زندگی بسر کرنے والوں کو بے مثال منظّم ہی نہیں منتظم بنادیا۔ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کرنے والوں، جاہلوں، سنگدلوں بھیڑیوں کو، نہ صرف اپنی بلکہ یتیم و بے سہارا بچیوں کا خادم و خیر خواہ بنادیا۔ نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھی جانے والی وہ بچی جس کی پیدائش پر رنگ فق اور چہرے سیاہ پڑ جاتے، ماں باپ اور اعزاء و اقارب پر غم کی گھٹا چھا جاتی تھی۔ باپ سوچتا تھا کہ بچی کو زندہ رکھوں یا عزت کو بچاؤں۔ دونوں جمع نہیں ہوسکتیں، بیٹی بھی ہو اور عزت بھی ہو۔ جی ہاں اسی حقیر و دھتکاری بچی کو وہ شرف بخشا جو کسی بیٹے کو نہ ملے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ.

’’اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کی پیدائش) کی خبر سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھر جاتا ہے۔ وہ لوگوں سے چھُپا پھرتا ہے (بزعمِ خویش) اس بری خبر کی وجہ سے جو اسے سنائی گئی ہے، (اب یہ سوچنے لگتا ہے کہ) آیا اسے ذلت و رسوائی کے ساتھ (زندہ) رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے (یعنی زندہ درگور کر دے)، خبردار! کتنا برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں‘‘۔ (النحل، ۱۶: ۵۸:۵۹)

انقلاب رحمت

حضور اکرم ﷺ کی رحمت معاشرے کے ہر طبقے کے لئے واضح تھی بالخصوص ان لوگوں کو جنت کی خوشخبری دی کہ جنہوں نے اپنی بیٹی اور بہن کو نہ زندہ درگور کیا اور نہ اسکی تذلیل کی۔

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من كانت له انثى فلم يآدها ولم يهنها ولم يوثر ولده عليها يعنى الذكورا ادخله الله الجنة.

''جس آدمی کی بیٹی یا بہن ہے اس نے اس کو زندہ درگور نہیں کیا، نہ اس کی توہین کی اور نہ بیٹے کو اس پر ترجیح دی، اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا''۔ (ابوداؤد)

اسی طرح یتیموں پر حضور ﷺ نے رحمت و محبت کا سلوک کرنے والوں کیلئے فرمایا:

من اویٰ یتیما الیٰ طعامه وشرابه اوجب الله له الجنة البتة الا ان یعمل ذنبا لا یغفر ومن عال ثلث بنات او مثلهن من الاخوات فادبهن ورحمهن حتی یغنیهن الله اوجب الله له الجنة. فقال رجل یارسول الله اواثنتین قال اوثنتین حتی لو قالوا او واحدة تعالیٰ واحدة ومن اذهب الله بکریمته وجبت له الجنة قیل یارسول وما کریمتاه قال عیناه.

''جس نے اپنے کھانے پینے میں کسی یتیم کو شریک کرلیا۔ اللہ پاک نے لازمی طور پر اس کے لئے جنت واجب کردی۔ الا یہ کہ کوئی ناقابل مغفرت گناہ (شرک) کرے اور جس نے تین بیٹیوں یا اتنی بہنوں کی تربیت کی، ان کو علم و ادب کے زیور سے آراستہ کیا۔ ان کو پیار و رحمت کی نظر سے دیکھا، یہاں تک کہ اللہ نے ان بچیوں کو غنی کردیا (اپنے پاؤں پر کھڑی ہوگئیں) اللہ نے اس کے لئے جنت واجب کردی۔ ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ! دو ہوں تو؟ فرمایا خواہ دو ہوں، یہاں تک سوال ہو، تاکہ ایک ہی ہوتو! فرماتے خواہ ایک ہو اور اللہ کریم نے دو قیمتی چیزیں لے لیں، اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ عرض کی گئی یارسول اللہ! دو قیمتی چیزوں سے مراد کیا ہے، فرمایا آنکھیں''۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۳)

۳۔ اسی طرح ایک اور جگہ یتیموں پر رحمت و شفقت کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من مسح راس یتیم لم یمسحه الا لله کان له بکل شعرة یمر علیها یده حسنات ومن احسن الی یتیمة او یتیم عنده کنت انا وهو فی الجنة کهاتین وقرن بین اصبعیه.

''جس نے یتیم کے سر پر صرف اللہ کی رضا کی خاطر ہاتھ پھیرا جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا، اسے ایک بال پر نیکی ملے گی اور جس نے اپنے پاس رہنے والی یتیم بچی یا بچے سے نیک سلوک کیا۔ میں اور وہ شخص اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے اور سرکار نے (اشارہ کرتے ہوئے) اپنی دونوں انگلیاں ملائیں''۔ (احمد، ترمذی)

بڑے متقی

جنت کے مستحق صرف نماز، روزہ، زکوۃ، صدقات کے ادائیگی کرنے والے نہیں بلکہ معاشرہ میں جس شخص کے ہاتھ، زبان سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچی ہو یعنی اس کے ساتھ رحمت و شفقت کا رویہ اپنایا ہو تو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ!

ان فلانة تذکر من کثرة صلاتها وصیامها وصدقتها غیر انها توذی جیر انها بلسانها قال هی فی النار قال یارسول الله فان فلانة تذکر قلة صیاحها وصدقتها وصلوتها وانها تصدق بالاثوار من الاقط ولا توذی بلسانها جیرانها قال هی فی الجنة.

''فلاں عورت کی بہت نمازوں، روزوں اور صدقات کی شہرت ہے، ہاں مگر اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے، فرمایا جہنمی ہے۔ عرض کی یارسول اللہ! تو فلاں عورت کے روزوں، صدقات، نمازوں کی کمی بیان کی جاتی ہے اور یہ کہ پنیر کے چند ٹکڑے صدقہ کرتی ہے، مگر اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی، فرمایا وہ جنتی ہے''۔ (احمد، بیہقی)

محبت کے تقاضے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تم میں اخلاق، اعمال اور احوال، اسی طرح تقسیم کئے جیسے تم میں تمہارے رزق۔

ان الله یعطی الدنیا من یحب ومن لا یحب ولا یعطی الدین الا من احب، فمن اعطاء الله الدین فقد

احبه والذی نفسی بیده لا یسلم عبد حتی یسلم قلبه، ولسانه ولا یومن حتی یامن جاره بوائقه. (احمد، بیهقی)

’’بے شک اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرے اور جس سے محبت نہ کرے دونوں کو دنیا دیتا ہے، مگر دین صرف اسے دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔ سو جس کو اللہ نے دین دے دیا، یقیناً اس سے محبت فرماتا ہے اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہوجائے اور مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کے شر و ایذاء سے محفوظ نہ ہو‘‘۔

حاجت روائی

دنیا میں کسی شخص کی حاجت روائی کرنا، اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشی ہے اور اس پر جنت کیلئے داخلہ لازم ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من قضیٰ لاجد من امتی حاجة یرید ان یسره بها فقد سرنی ومن سرنی فقد سرالله ومن سرالله ادخله الله الجنة.

’’جس نے میرے کسی امتی کی خوشنودی کے لئے، اس کی حاجت روائی کی، اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا، اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا‘‘۔

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا:

من اغاث ملهوفا کتب الله ثلثا و سبعین مغفرة واحدة فیها صلاح امره کله وثنتان وسبعین له درجات یوم القیمة.

’’جس نے کسی مظلوم، مغموم، مجبور، مصیبت زدہ کی فریاد رسی کی، اللہ اس کے لئے تہتر بخششیں لکھ دیتا ہے، ان میں سے ایک میں اس کے تمام معاملات کی درستگی ہے اور بہتر اس کے لئے قیامت کے دن درجات ہونگے‘‘۔

اسی طرح مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الی عیاله.

’’ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، سو اللہ کے ہاں ساری مخلوق میں محبوب تر وہ شخص ہے جو اس کے کنبہ سے اچھا سلوک کرے‘‘۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا اہم مقصد

ماہ مقدس ربیع الاول شریف ہر سال آتا ہے اور اپنے جلو میں جذباتِ محبت کا ایک عالم لاتا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان اس ماہ مبارک میں خصوصی طور پر اپنے آقا و مولا، محمد رسول اللہ ﷺ کے حضور والانہ طور پر اپنے اپنے انداز سے نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ آج کے دور میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ لوگوں کو رسول پاک ﷺ کی سیرت طیبہ اور فضائل و کمالات موثر انداز میں بتائے جائیں۔ لازم ہے کہ مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ کے فضائل وکمالات از بر کروائے جائیں تاکہ علم بڑھے، روشنی پھیلے اور دلوں میں عشق رسول ﷺ کی شمع فروزاں ہو یہی ہماری تمام پریشانیوں، بے عملیوں اور بدعملیوں کا علاج بھی ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

شبے بگریستم پیش خدا من
مسلماناں چرا زار و نزار اند
صدا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے ندارند

’’ایک رات میں خدا کے حضور میں رویا کہ بار الٰہی! مسلمان کیوں ذلیل و خوار ہیں؟ آواز آئی تجھے معلوم نہیں کہ اس قوم کا دل تو ہے محبوب نہیں‘‘۔

’’اور جب تک دل کی نگری میں محبوب نہ ہو، ویران ہے اور ویران گھر میں کس کا دل لگتا ہے؟ محبوب کون ہے؟‘‘۔

ہست محبوبے نہاں اندر دلت
چشم اگر داری بیا بنمائمیت

''وہ محبوب تیرے دل میں پوشیدہ ہے اگر دل کی آنکھ ہے تو آ، میں تجھے دکھاتا ہوں''۔

عاشقانِ او زخوباں خوب تر
خوب تر، محبوب تر مطلوب تر

''اس محبوب کے عاشق بھی دنیا کے حسینوں سے خوبصورت تر، بہتر، محبوب و مطلوب تر ہیں''۔

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

''ہم نے اپنا دل حجاز والے محبوب سے جوڑ لیا ہے اور اسی نسبت سے ہم ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں''۔

محفل میلاد ہو یا مجلس ذکر، ان کا ایک ہی مقصد ہے کہ ہم نے اپنی نادانیوں سے جو رشتۂ الفت کمزور کرلیا ہے اسے پھر سے مضبوط کیا جائے۔

قابل صد تکریم ہے ہر وہ فرزندِ اسلام جو اپنے آقا ﷺ کی محبت میں سرشار ہے۔ ذکر سرکار کی محفلیں سجاتا اور عظمت رسول ﷺ کے چراغ جلاتا ہے۔

قرآن کریم میں حکم خداوندی ہے:

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ. (ابراهيم:۵)

''اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ''۔

یہ وہ حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا کہ اپنی قوم کو اللہ کے دن یاد دلاؤ اللہ کے دن یاد دلانے کا یہ معنی نہیں کہ آج فلاں تاریخ اور فلاں دن ہے۔ یہ ہر ایک جانتا ہے یہ بتانے کی نہ ضرورت ہے نہ فائدہ بلکہ مراد یہ ہے:

يعبر بالايام عن الوقائع العظيمة التى وقعت فيها.

''ایام سے مراد وہ عظیم واقعات ہیں جو ان ایام میں وقوع پذیر ہوئے''۔ (تفسیر کبیر امام رازی، ج۱۹، ص۸۴، طبع ایران)

مطلب یہ ہے کہ تم نے فرعون کا دور ظلم بھی دیکھا اور بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں، بچوں کا قتل عام، وطن سے بے وطنی اور دیگر مختلف قسم کے عذاب پھر اپنے دشمنوں کی ہلاکت، اپنے وطن کی آزادی اور من وسلویٰ کی جنتی غذائیں، بادل کے سائبان اور پانی کے ٹھنڈے چشمے، عظمت و اقتدار کا سنہری دور سبھی کچھ دیکھا اچھے دنوں کا ذکر کرکے شکر کرو اور برے دنوں کو یاد کرکے اللہ کا خوف کرو۔ پس ہمارے لئے یوم میلاد یوم نجات ہے، اللہ اور رسولوں کے وعدوں کے ایفاء کا دن ہے، شرک و کفر اور ظلم وستم کے خاتمے اور اللہ کے فضل و رحمت کے نزول کا دن ہے اس کی یاد ہر دوسرے دن سے بڑھ کر کرنی چاہئے یہ قرآن کا حکم ہے اور امر وجوب کے لئے ہے۔ پس اللہ کے خاص ایام کا ذکر کرنا واجب ہے۔ نعمت کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ دل سے اس کا اعتراف کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ زبان سے اس کا اقرار و ذکر کیا جائے۔ تیسرا یہ کہ اس کا شکر کیا جائے۔ جیسے قرآن میں بار بار فرمایا گیا:

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ. (البقره:۴۷)

''میری اس نعمت کا ذکر کرو جو میں نے تم پر کی''۔

ذاتِ مصطفوی ﷺ۔۔۔ نعمت الٰہی

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ. (المائده:۲۰)

''اور (وہ وقت بھی یاد کریں) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم اپنے اوپر (کیا گیا) اللہ کا وہ انعام یاد کرو جب اس نے تم میں انبیاء پیدا فرمائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ (کچھ) عطا فرمایا جو (تمہارے زمانے میں) تمام جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا تھا''۔

معلوم ہوا کہ آزاد حکومت ملنا اور انبیاء کرام کا وجود نصیب ہونا، اللہ کی نعمت اور احسان ہے اور اس کا ذکر کرنے کا خدائے تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ جشن عید میلاد

النبی ﷺ کا ایک بڑا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر پاک کیا جائے۔ آپ کے فضائل وکمالات، آپ کی دنیا میں تشریف آوری، آپ کی نورانی صورت اور آپ کی حسین سیرت کا بیان ہو تاکہ ایمان تازہ ہو اور جذبات عشق ومحبت پرورش پائیں جو ہماری کامیابی کے ضامن ہیں۔ رب کریم نے بعثت محمدی ﷺ کو مسلمانوں کیلئے احسان عظیم قرار دیا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ.

''بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔ (آل عمران:۱۶۴)

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کو اپنا بڑا احسان فرمایا۔ پس لازم ہے کہ اس احسان عظیم کا ہر وقت ذکر واعتراف کیا جائے، اس پر شکر کیا جائے اور اس کی حقیقی قدر کی جائے اور اس کے ملنے پر خوشی کا اظہار کیا جائے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ. (ابراهیم:۷)

''اور (یاد کرو) جب تمہارے رب نے آگاہ فرمایا کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اضافہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے''۔

اسی طرح فرمایا:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ. (الضحیٰ: ۱۱)

''اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو''۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں لہذا آپ کے حسن وکمال کا چرچا بہت ہی زیادہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ، اللہ کی نعمت ہیں خود قرآن میں موجود ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ. (ابراهیم:۲۸)

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمتِ (ایمان) کو کفر سے بدل ڈالا اور انہوں نے اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا''۔

بعثت فیهم محمدا ﷺ فلم یعرفوا قدر هذه النعمه.

''کہ اللہ نے ان میں محمد ﷺ کو مبعوث کیا، لیکن انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ پہچانی''۔ (تفسیر کبیر، ۱۹:۱۲۳، مطبوعہ ایران)

وہ جو دوزخ ہے **یَصْلَوْنَهَا** اس کے اندر جائیں گے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا:

''خدا کی قسم وہ قریش اور محمد ﷺ ہیں۔ اللہ کی نعمت محمد ﷺ ہیں''۔ (صحیح بخاری، ج۲، ص۵۶۶، طبع کراچی)

ان ابلیس رن اربع رنات، حین لعن و حین اهبط وحین ولد رسول الله وحین انزلت الفاتحه.

''بے شک ابلیس (شیطان) چار بار رویا ہے۔ اول جب لعنتی بنا۔ دوسرا جب زمین پر اتارا گیا۔ تیسرا جب رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ چوتھی دفعہ جب سورہ فاتحہ نازل کی گئی۔ (البدایہ والنہایہ۔ ابن کثیر، ۲:۲۶۶۔۲۶۷ طبع بیرات)

آج بھی جشن عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر بہت سے چہروں پر بجائے خوشی و رونق کے ہوائیاں اڑ رہی ہوتی ہیں۔ مزاج برہم، پیشانیوں پر بل اور طبیعت بوجھل محسوس ہوتی ہے۔

یہ حضرت کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

انصاف کریں، جس آقائے کائنات کی تعریف و توصیف ہر آسمانی کتاب میں موجود ہے۔ جن کا ذکر ہر نبی

نے اپنی امت کے سامنے کیا۔ جن کا ذکر اللہ نے ہر ذکر سے بلند تر کردیا۔ جن کا نام اپنے نام کے ساتھ ساتھ رکھا۔ جن کی اطاعت اپنی اطاعت، جن کی محبت اپنی محبت اور جن سے دشمنی اپنی دشمنی قرار دی۔ جس کی آمد پر خوشیاں منانے کا حکم دیا اور اس خوشی کو ہر چیز سے بہتر قرار دیا۔ کیا منشاء قدرت یہی تھا کہ ان کا ذکر نہ ہو؟ یقیناً ایسا نہیں ان کی آمد پر خوشی کا اظہار اس نے تمام آسمانی کتابوں میں کردیا ہے۔ بعض علم وتقویٰ کے مدعی اور دین کے خادم، دین کا نام لے کر اپنے من پسند پروگرام کرتے ہیں۔ اپنے بڑوں کی برسیاں اپنے مدرسوں کے سالانہ جلسے بلکہ صد سالہ جشن مناتے ہیں۔ مختلف بزرگوں کے ایام دھوم دھام سے مناتے ہیں، قرآن و حدیث کے نام پر سیمینار منعقد کرتے۔ جلوس نکالتے اور چراغاں کرتے، ریلیاں کرتے اور ان پر آتش بازی کے مظاہرے کرتے ہیں۔ لاکھوں روپے ان اللوں تللوں پر پھونک دیتے ہیں۔ صدقات و خیرات کے طور پر جمع کی گئی دولت کو رنگین پروگراموں کی نذر کرتے ہیں اور یہ سب کچھ دین کے نام پر کررہے ہیں۔ جو اپنے آپ کو موحد، پابند شریعت اور نہ جانے کیا کیا کہتے تھکتے نہیں۔ پوچھئے ان پروگراموں کو صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین اور خیرالقرون میں کس کس نے کیا تھا؟ اگر اس کا ثبوت کہیں بھی نہیں، پھر آپ کے یہ تمام افعال بدعت و حرام کیوں نہیں؟ جبکہ اسی دلیل سے آپ ذکر رسول کی محافل کو بدعت کہتے ہیں۔ آپ جو چاہیں دین میں اختراعات کریں، آپ کو اجازت ہے اور مسلمان اپنے نبی اکرم ﷺ کی آمد پر جشن مناکر قرآن و سنت کے تقاضے پورے کریں، آپ اسے بدعت و ناجائز کہیں۔ آخر کیوں؟ جائز کہنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ ناجائز کہنے کے لئے دلیل درکار ہے۔ نبی کا یوم میلاد منانا بدعت اور صحابہ کے ایام سرکاری طور پر منانے کا مطالبہ، دلیل شرعی پیش کیجئے۔ دونوں میں کیا فرق ہے۔ کس دلیل سے ایک جائز بلکہ لازم اور دوسرا بدعت ہوگیا؟

براہ کرم ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچئے، لوگوں کے سامنے حضور ﷺ کا میلاد، سیرت طیبہ اور تعلیمات مقدسہ کو بیان کریں تاکہ سچی عقیدت ان کے دلوں میں پیدا ہو اور وہ اپنی زندگی حضور ﷺ کی مقدس زندگی کے رنگ میں ڈھال سکیں۔ دین کا بول بالا ہو، سچے فضائل و کمالات اتنی کثرت سے بیان کریں کہ غلط و موضوع روایات ختم ہوجائیں۔ حضور ﷺ کی محبت پر اتنا زور دیں کہ نوجوانوں کے دلوں سے ہر جھوٹی محبت ختم ہوجائے۔ صدقہ و خیرات، قرآن خوانی و نعت خوانی اور سیرت و صورت محبوب کا ہر جگہ اتنا زور و شور سے تذکرہ کریں کہ شیطانی آوازیں پست ہوکر ختم ہوجائیں۔ گھروں کو، دکانوں کو، بازاروں اور کارخانوں کو، اداروں و راستوں کو اتنا سجائیں کہ ہر ایک پر عظمت رسول واضح ہو۔ کھانے کھلائیں، مشروب پلائیں، ناداروں کو کپڑے پہنائیں، نادار طلبہ کو کتب اور فیس دیں اور اس سب کا ثواب صاحب میلاد ﷺ کی بارگاہ میں نذر کریں۔ یاد رکھیں اگر محبوب کی آمد پر خوشی منانا گوارا نہیں تو کوئی خوشی نہ منائیں اگر یہ جشن منع ہے تو ہر جشن حرام ہے۔ اگر آمد محبوب پر اظہار خوشی نہیں کرتے تو کسی تقریب پر خوشی زیب نہیں دیتی۔

اے اہل اسلام! عید میلاد النبی تمہارے لئے سب سے بڑی مذہبی و سیاسی تقریب ہے۔ خوشیاں منانے کا یہ سب سے بڑا موقع ہے۔ چراغاں کرنے، جھنڈیاں لگانے اور تقریبات منعقد کرنے کا اس سے بڑا اور مقدس کوئی دوسرا موقع نہیں **وبذالک فلیفرحوا** خوشیاں منانی ہیں تو بس اسی پر مناؤ۔ جشن منانے ہیں تو اس پر مناؤ **ھو خیر مما یجمعون**. (یونس:۵۸) یہ اظہار مسرت ہر اس چیز سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں۔ خواہ نماز، روزہ، خواہ دنیا کا مال و اسباب ہو، خواہ دیگر نیکیاں ہوں۔ اس نیکی سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں کہ ہر نیکی اس کے وسیلہ سے ملی ہے۔ اسی نیکی کی برکت سے کافر تک فیضیاب ہوئے۔ مسلمان تو ان کے اپنے ہیں، وہ کیسے محروم رہ سکتے ہیں۔

حقیقی اور قابلِ عمل اسلامی نظامِ اخلاق

رحمتوں کا آئینہ دار

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

زیرِ نظر مضمون عرب دنیا کے ایک ممتاز عالم استاد محمد فتحی عثمان کی عربی زبان میں تصنیف ''الدین للواقع'' (دین برائے حقیقت) کے ایک باب کی تلخیص ہے۔ قرآن وسنت کی جملہ تعلیمات رحمتوں کی آئینہ دار اور پیامبر ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ''رسولِ رحمت'' کی حیثیت سے جو بھی نظام انسانیت کو عطا فرمائے اُن تمام میں رحمت، آسانی اور محبت ہی کارفرما ہے۔ آپ ﷺ کی طرف سے عطا کردہ نظامِ اخلاق بھی آپ ﷺ کی شخصیت مبارکہ ہی سے جنم لیتا ہے۔ اس لئے کہ ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم'' کا تاج، رب کائنات نے آپ کے سر سجایا۔ میلاد مصطفیٰ ﷺ کے اِن مبارکہ لمحات میں ''اسلامی نظام اخلاق'' کی صورت میں موجود رحمت کی طرف بھی متوجہ ہونا ہوگا۔

کیا اسلام میں بھی اخلاق کوئی خواب و خیال کی دنیا ہے؟ نہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ اسلام میں تو اخلاق کی حیثیت متعین کرتے ہوئے پیغمبر اسلام نے فرمایا تھا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق.

''مجھے تو بھیجا ہی اسی لئے گیا ہے کہ بلند اخلاق کی تکمیل کردوں''۔

دین اسلام میں اخلاق کی بنیاد بھی ایک حقیقت پسندانہ عملی اساس پر قائم ہے۔

انسانی فطرت کے مطابق اخلاق

دین اسلام خیر اور بھلائی کو ''معروف'' کا نام دیتا ہے اور شر و بدی کو ''منکر'' قرار دیتا ہے۔ اسلام کے اخلاق کی تعریف میں کوئی دقت پیش نہیں آتی کیونکہ یہ اخلاق عام انسانوں کی فطرت سے ماخوذ ہیں۔ وہ فطرتِ انسانی جسے کتاب کا نازل کرنے والا جانتا ہے اور عملی زندگی میں انسان اس فطرت کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔ اسلامی اخلاق کوئی ایسی نظریاتی شے نہیں جو انسانی ضروریات اور معاشرے کے مطابق نہ ہوں۔ ارشاد نبوی ہے:

البر حسن الخلق والاثم ماحاک فی صدرک وکرهت ان يطلع عليه الناس.

''نیکی تو حسن اخلاق کا نام ہے۔ گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں چھپے اور تو ناپسند کرے کہ لوگ اس پر آگاہی حاصل کریں''۔

پھر فرمایا: ''نیکی وہ ہے جس سے نفس کو سکون اور دلی اطمینان نصیب ہو۔ بدی وہ ہے جس سے نہ تو نفس کو تسکین ملے اور نہ قلب کو اطمینان حاصل ہو، خواہ تجھے مفتی لوگ فتویٰ ہی کیوں نہ دیں''۔

دینی اخلاق کا اصل مفہوم

دینی اخلاق کی معروف صورت جو لوگوں کے

ذہنوں میں عام پائی جاتی ہے، حقیقت میں وہ ہی سب کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک تاریک صورت ہے جس میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ ''دینی اخلاق'' فقط ادائے نماز و روزہ اور شراب و جوئے وغیرہ سے اجتناب کا نام ہے۔ دینی اخلاق کی اس صورت نے ایک سائنس دان کو بیزار کرکے یہ کہنے پر مجبور کردیا تھا کہ صرف دینی اخلاق کافی نہیں بلکہ شاید وہ (دینی اخلاق) مطلقاً کوئی اصلاحی قوت ہی نہ رکھتے ہوں کہ اشخاص کو جانچنے اور انہیں سنوارنے کا کام دے سکیں۔

بلاشبہ شعائر کی ادائیگی، جوئے اور شراب سے پرہیز دین اسلام کے احکام میں شامل ہے لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس قسم کے اوامر اور نواہی بجائے خود دینی اخلاق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے ایک شخص حسب عادت نماز پڑھ لیتا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ شراب سے اس لئے بچتا ہو کہ اسے اس کا ذائقہ ہی گوارا نہیں۔۔۔! یا یہ کہ اس سے اس کی صحت کو نقصان پہنچتا ہے اور ہوسکتا ہے۔۔۔ جوئے سے اپنے پیسے اور شہرت کی خاطر بچتا ہو۔۔۔ تو کیا ان سب باتوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص خوش اخلاق ہے۔۔۔؟ نہیں۔۔۔! اس انسان کی شخصیت کے بہت سے پہلو روشنی میں لائے جانے کے قابل ہیں۔ یہ ضروری ہوگا کہ اس کے اندازِ فکر کو جانچا جائے کہ اخلاقی اقدار کی اہمیت اس کے دل میں کتنی ہے؟ زندگی کے دیگر شعبوں میں اس کے کردار اور برتاؤ کو دیکھ کر ہی اس کے خوش اخلاق ہونے کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی آدمی کسی کی صفائی میں گواہی دیتا تو اس کے لئے اقامتِ شعائر اسلام کے بارے میں سطحی معلومات کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ گہری واقفیت، وسیع لین دین اور برتاؤ کی صورتوں کو معیار بناتے تھے جس سے انسان کے اندر چھپی ہوئی تمام باتیں منظر عام پر آجایا کرتی ہیں۔ اس لئے جو لوگ دینی اخلاق محض ظاہری معمولات تک محدود سمجھ بیٹھے ہیں وہ دین اسلام کے اخلاقی ضوابط کی حقیقت کے سلسلے میں غلطی اور خلط مبحث کا شکار ہیں۔

حقیقت پسندانہ اخلاق

اسلامی اخلاق، حقیقت پسندانہ ہیں کیونکہ ان میں انسانوں کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ وہ کمال کے لئے کوشاں رہیں نہ یہ کہ وہ کمال مطلق تک پہنچ کر فرشتہ بن جائیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما اسکر ھو علیه.

''خطا نسیان اور مجبور کرکے گناہ کروانا میری امت کو معاف کردیا گیا ہے''۔ اسی طرح فرمایا:

کل بنی آدم خطاء و خیر الخطائین التوابون.

''ہر ابن آدم خطا کا پتلا ہے خطاکاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہوتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک جگہ متقین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ان کی ایک قسم یہ بھی بتائی ہے کہ جو غلطی کرتے ہیں پھر توبہ کرلیتے ہیں، نہ کہ یہ ان کی زندگی بالکل گناہوں سے خالی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ.

''اور وہ لوگ کہ اگر برائی کر بیٹھتے ہیں یا خود پر کوئی زیادتی کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں''۔ (آل عمران:۱۳۵)

اسلامی اخلاق اور محبت

اسلامی اخلاق محبت و پیار کی دعوت دیتے وقت بھی حقیقت پسندی سے کام لیتے ہیں اس لئے کراہت و ناپسندیدگی سے چشم پوشی نہیں کرتے۔ اسلامی معاشرے کے لئے ضروری ہے کہ وہ افراد اور جماعت کا خیال کرے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی معاشرہ عمداً ارتکاب جرم کی ذمہ

داری والے شخص کا حساب چکائے، جہاں تک جرم کے سبب کا تعلق ہے تو اس کی جانچ پڑتال اور حیثیت کا تعین عملی طور پر ممکن حدود کے اندر رہ کر کیا جاسکتا ہے۔

دین اسلام کی اخلاقیات میں محبت کو اہمیت دی گئی ہے۔ جیسے ارشاد نبوی ہے:

لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه.

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کیلئے بھی وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے''۔

اسلامی اخلاق اور قوانین

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً.

''اے ایمان والو! مکمل طور پر سلامتی کے دائرے میں داخل ہوجاؤ''۔ (البقرہ:۲۰۸)

مگر اس کے ساتھ ہی اسلام نے سلامتی میں داخل ہونے والے کے لئے سزا کا قانون بھی بنادیا اور سلامتی کے دائرے سے نکلنے والے کے لئے جنگ کا قانون بھی مقرر کردیا ہے۔

وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ. (النور: ۲)

''زانی اور زانیہ کو سزا دیتے وقت تمہیں نرمی دکھانی چاہیئے اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو''۔

ولکم فی القصاص حیاة.

''تمہارے لئے خون کا بدلہ لینے میں زندگی ہے''۔

دین اسلام ایسے اخلاق کو برا قرار دیتا ہے جو دھونس اور دھاندلی کے قانون کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جنگ کے بارے میں اسلام کی جو وصیتیں ہیں انہیں سب جانتے ہیں۔ یہاں پر چند باتوں کی طرف اشارہ ہی کافی ہوگا۔ دین اسلام ایفائے عہد کا حکم دیتا ہے۔۔۔ عورتوں، بوڑھوں، بچوں اور دینی پیشواؤں پر تعدی کرنے سے منع کرتا ہے۔۔۔ تمام غیر جنگجو لوگوں سے تعرض کرنے سے روکتا ہے۔۔۔ اور انتہائی جنگی ضروریات کے بغیر فساد و اتلاف سے بھی اسلام سختی سے منع کرتا ہے۔

اسلامی اخلاق ۔۔ دین و دنیا کا امتزاج

اسلامی اخلاق اس لئے بھی حقیقت پسندانہ ہیں کہ دین اور دنیا کے باہمی تصادم پر منتج نہیں ہوتے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ. (الاعراف: ۳۲)

''کہہ دیجئے کہ اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے تیار کی ہے اور پاکیزہ رزق کو کس نے حرام بنایا ہے؟ کہہ دیجئے کہ یہ دنیاوی زندگی اللہ کے مومن بندوں کے لئے بھی ہے اور آخرت میں تو ہے ہی ان کے لئے''۔

انسان اپنی ذاتی ملکیت بھی بناسکتا ہے بشرطیکہ اس کی یہ ملکیت اسلام کی اس اقتصادی سیاست سے متعارض نہ ہو جو اسلامی حکومت عملاً نافذ کئے ہوئے ہے اور اس کے بنائے ہوئے قوانین سے بھی متصادم نہیں ہوتی، بشرطیکہ وہ انسان معاشرے اور ریاست کے عائد کردہ مالی حقوق ولوازمات ادا کرتا رہے۔

دین اسلام میں زہد وتقویٰ فقط عزلت گزینی اور گوشہ گیری کا نام نہیں بلکہ روئے زمین پر سعی وکوشش، پیداوار میں اضافے اور دولت کو ہاتھ میں لانے اور پھر یہ سب کچھ معاشرے اور ریاست کے تصرف میں دے دینے کا نام زہد وتقویٰ ہے۔ یہ اسلامی زہد اصل میں فرد کی اپنی ملکیت سے بے نیازی کا نام ہے، دولت کمانے سے عجز و بے بسی کا نام زہد نہیں ہے۔

اسلامی اخلاق اس لئے بھی حقیقت پسندانہ ہیں کہ یہ کبائر اور صغائر کے درمیان تفریق کرتے ہیں:

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ.

’’وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور فواحش سے بچتے ہیں مگر یوں ہی غیر ارادی طور پر‘‘۔ (النجم:۳۲)

یہ اخلاق، پردہ داری اور برسر عام ارتکاب میں بھی فرق کرتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

’’میری تمام امت کے لوگ قابل معافی ہیں سوائے مجاہرین یعنی برسر عام بدی کے مرتکبین کے، یہ بھی برسر عام بدی کرنا ہے کہ کوئی شخص رات کو برا کام کر بیٹھے تو پھر صبح ہو تو اللہ کی طرف سے پردہ داری کے باوجود لوگوں سے کہتا پھرے، میں نے آج رات یہ کیا اور یوں کیا اور اس طرح وہ اللہ عزوجل کے دیئے ہوئے پردے کو فاش کرنے کا مرتکب ہو‘‘۔

اسلامی اخلاق اور مختلف طبائع و ماحول کا فرق

اسی طرح اسلام میں انسان کی حالت کے پیشِ نظر بعض اخلاق میں بھی فرق ہے۔ اب ہوسکتا ہے کہ ایک مومن بزدل ہو یا بخیل مگر وہ جھوٹا نہ ہو:

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللهِ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰذِبُوْنَ. (النحل: ۱۰۵)

’’جھوٹ تو وہ لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے، یہی لوگ جھوٹے ہیں‘‘۔

اسلامی اخلاق کی ایک حقیقت پسندی یہ بھی ہے کہ ان میں اکراہ اور فتنے کی حالت کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے:

اِلَّا مَنْ اُکْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ.

’’ہاں مگر جو مجبور کردیا جائے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو‘‘۔ (النحل:۱۰۶)

الا ان تتقوا منهم تقاة.

’’مگر یہ کہ تم ان سے جان بچانا چاہو‘‘۔

مگر اسلام میں تقیہ کی اجازت انتہائی شدید اور غیر معمولی حالات میں ہے۔ سنت نبوی ﷺ میں برسبیل حصر ان مواقع کی تحدید کردی گئی ہے جن میں جھوٹ کی اجازت ہے اور وہ مواقع ہیں:

۱۔ جنگ ۲۔ اپنی بیوی سے بات کرنا

۳۔ دو جھگڑنے والوں کے درمیان صلح کرانا

کیا اس سے بڑھ کر حقیقت پسندی ہوسکتی ہے؟ ایک دین ہے جو مکارم اخلاق پر قائم ہے مگر وہ تنگ دائرے کی استثنائی صورتوں سے چشم پوشی نہیں کرتا۔ ایسے دائرے جن میں بلند ترین اور زیادہ مفید باتوں کا لحاظ مقصود ہے اور جہاں ایک اخلاقی خوبی دوسری اخلاقی خوبی کے مقابلے میں ترجیح بن جاتی ہے۔

مثلاً جنگ باہم لڑنے والوں کے باہمی اعتماد کے خاتمے کے اعلان کا نام ہے۔ اب جنگ میں جھوٹ سے کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ جنگ تو خود ہی دھوکا ہے لیکن

الرجی (کورس) نہایت اعلیٰ مصفیٔ خون دوا فسادِ خون، خارش (خشک و تر)، داد، چنبل، پھوڑے، پھنسی، دانے خشک یا پانی والے اور مختلف اقسام کی الرجی میں موثر دوا

چہرے پر داغ، دھبے، دانوں کو دور کرکے رنگت کو نکھارتا ہے۔
بھرپور اطمینان کے ساتھ استعمال کریں۔

اپنے ایڈریس پر مکمل فہرست ادویہ طلب فرمائیں۔

حکیم حافظ سید محمد احمد۔ لاہور: فون: 042-38477326, 0332-8477326

اس کا مطلب یہ نہیں کہ جنگ میں تمام اخلاقی اقدار و فضائل معطل ہوجائیں اس لئے کہ یہاں بھی شجاعت جیسی اخلاقی قدر کی ضرورت ہے۔ رحمت ومہربانی بھی اپنی جگہ باقی رہے گی چنانچہ بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔۔۔ زخمی پر وار نہیں کیا جائے گا۔۔۔ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو کوئی گزند نہیں پہنچائی جائے گی۔۔۔

میاں بیوی کی گفتگو میں سے اگر کچھ دیر کے لئے صدق غائب ہوجائے تو ایثار و قربانی تو ہمیشہ قائم ہی رہتی ہے۔ اس لئے کہ شوہر اگر بیوی سے اپنی محبت کی بات کرتا ہے جب کہ فی الحقیقت وہ محبت نہیں کرتا تو حقیقت میں وہ اپنی ذات پر ناپسندیدگی کا اظہار کررہا ہوتا ہے اور اتفاق ومحبت کے لئے اپنے جذبات کو قربان کررہا ہوتا ہے۔

رہا لوگوں میں صلح کرانے کا معاملہ تو یہ ایک ایسی بلند اخلاقی عمل ہے جس کے مقابلے میں تمام اونچے اخلاق بالکل ہیچ ہیں۔

یہ بات بالکل واضح اور بدیہی ہے کہ یہ سب کچھ بعض حدود و قیود اور اصول وضوابط کے اندر رہ کر ہوگا۔ اس لئے کہ جنگ میں جھوٹ کا لوازم شمار ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمام خطۂ جنگ پر ہر جگہ کذب بیانی کا دور دورہ ہوگا۔۔۔ میاں بیوی کے تعلقات کے ضمن میں کبھی کبھار جھوٹ بولنے کے جواز کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک جھوٹ بول کر کوئی بھی مسئلہ حل نہ ہو لیکن بہت سے لاینحل مسائل اٹھ کھڑے ہوں۔۔۔! اسی طرح اصلاح ذات البین کی خاطر جھوٹ بولنے کا مقصد بھی یہ نہیں ہے کہ بعض ایسے بنیادی امور کو چھپایا جائے جو ظاہر ہونے میں زیادہ دیر نہ لگے اور فریقین کے درمیان تعلقات پہلے سے بھی بدتر ہوجائیں بلکہ مومن کے لئے ایسے مواقع پر ذہانت و فطانت اور حکمت و دوراندیشی کی بہت ضرورت ہے۔

اسلامی اخلاق اور ایمان وضمیر کی یکجائی

اسلامی اخلاق کی حقیقت پسندی کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان میں ایمان اور ضمیر کی قوتوں کو عملی اسالیب زندگی کے ساتھ مربوط اور مضبوط کردیا گیا ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا:

الایمان بضع وسبعون شعبة.

’’ایمان کے کچھ اوپر ستر شعبے ہیں‘‘۔

پھر ارشاد فرمایا:

لا یزنی زان وھو مومن.

’’کوئی مومن حالت ایمان میں زنا نہیں کرسکتا‘‘۔

حیاء کے ایمان ہونے کے حوالہ سے بتایا:

الحیاء من الایمان.

’’حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے‘‘۔

اور یوں دین عمل میں اخلاق کی نگرانی عقیدہ و ایمان کی قوتوں کے ذریعے کرائی جاتی ہے۔

اخلاق اسلامی عبادات کے ساتھ بھی مربوط ہیں جس کے سبب یہ عبادات بے روح اور بے جان رسوم کے بجائے نفسیاتی تحلیل وتجزیہ اور معاشرتی تدریب وتربیت کے مراکز وادارے بن جاتے ہیں: جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ.

’’نماز گندی اور بری باتوں سے روکتی ہے‘‘۔ (العنکبوت:۴۵)

الصوم جنة... فاذا کان احدکم صائما فلا یرفث ولا یفسق ولا یضحب.

’’روزہ ایک ڈھال ہے۔ اس لئے اگر تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو اسے فحش گوئی، گالی گلوچ اور جھگڑا نہیں کرنا چاہئے‘‘۔

اسی طرح منکرات سے بچنے کے لئے رب کریم نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا

فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ. (البقرہ:۷ ۱۹)

''پس جس شخص نے ان ایام میں حج اپنے اوپر فرض کیا تو اسے فحش کلامی، گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے کی حج کے دوران اجازت نہ ہوگی''۔

اسلامی اخلاق کا قانون سازی اور قانون کی عملداری سے بھی گہرا ربط اور تعلق قائم ہے۔ چنانچہ بعض حدود اور تعزیرات ایسی ہیں جو اخلاقی جرائم کی عقوبت و سزا کے لئے مقرر ہیں جیسے زنا، قذف اور جھوٹی گواہی وغیرہ مگر اخلاقی ہدایت و ارشاد کی اساس، تربیت پر قائم ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اسلامی قوانینِ فوجداری میں اس بات کو بہت اہمیت دی گئی ہے کہ اس جھوٹ کی صورت کو ہی حرام قرار دے دیا جائے جو عدالت کی رفتار کار میں رکاوٹ کا باعث ہو اور یہ صورت ہے جھوٹی گواہی! اس کے علاوہ دوسرے معاملات میں جھوٹ بولنے کے جرم کو قانونی سزاؤں کے بجائے اخلاقی دباؤ کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اسلامی اخلاق اور خاندان و معاشرہ

دین اسلام نے جو ضابطہ اخلاق پیش کیا ہے اس میں خاندان اور معاشرے کو بھی بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ سچائی کوئی تصور یا نظریہ نہیں جس کی تبلیغ و تلقین کی جاتی ہو۔ یہ تو ایک عادت اور معمول کی بات ہے جس سے ذہن تاثر پکڑتا ہے اور زبان کو اس کی مشق و تمرین کرنا پڑتی ہے اور پھر یہی عادت اور معمول لاشعور کے باطن میں جڑ پکڑ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خاندانی تربیت کو اور معاشرتی روایات و تقالید کی صحت و صفائی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہاں سے رسالت اسلامیہ کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے عرب معاشرے کے انتخاب کی اہمیت بھی سامنے آجاتی ہے کیونکہ یہ معاشرہ بہت سے اخلاق فاضلہ (مروت، سخاوت، ایفائے عہد وغیرہ) کا ایک گہوارہ تھا۔ قرآن مجید حضرت لقمان کی زبانی فرزندانِ اسلام کو حکم دیتا ہے:

''اے میرے بیٹے! نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، بری بات سے روک، مصیبت پر صبر کر، بلاشبہ یہ عزم و ہمت کے معاملات میں سے ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے قرآن مجید کہتا ہے:

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر مضبوطی سے کار بند رہئے''۔

جمہور اہل اسلام کو حکم دیا جاتا ہے:

''خود کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ''۔

اور حدیث نبوی میں ہے:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعيته.

''تم میں سے ہر ایک محافظِ رعیت ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا''۔

قرآن مجید كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ کے ذریعے معاشرے کے لئے عمومی طور پر بھلائی کی اشاعت اور حق و صبر قائم رکھنے کی وصیت کا حکم دیتا ہے۔

اخلاقی تربیت اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

اخلاقی تربیت کے سلسلے میں تعلیمات نبوی میں بڑے شاندار نمونے اور اسالیب ملتے ہیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ جب بھی عقیدہ و ایمان اور جزاء و سزا کے بارے میں کچھ ارشاد فرماتے ہیں تو اسے مکارم اخلاق یا بلند اخلاق کے ساتھ مربوط اور وابستہ صورت میں ارشاد فرماتے ہیں اور اسے دخول جنت کی کنجی قرار دیتے ہیں۔ آپ انسانوں کے لئے واضح راہیں متعین فرماتے ہیں اور ان کی ضروریات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے چنانچہ دخول جنت کا سبب بننے والا اخلاقی عمل کبھی تو والدین کے ساتھ حسن سلوک قرار دیا جاتا ہے۔۔۔کبھی وقت پر ادائے نماز۔۔۔

کبھی جہاد فی سبیل اللہ اور کبھی ارشاد نبوی ﷺ ہوتا ہے:

الصیام جنة والصدقة تطفی الخطیئة الصلاۃ باللیل شعار الصالحین.

’’روزہ ایک ڈھال ہے، صدقہ گناہ کو بجھا دیتا ہے، رات کو عبادت صالحین کا شعار ہے‘‘۔

اسی طرح تربیت اخلاقی کے بارے میں ارشاد و ہدایت کے مختلف اسالیب سامنے آتے رہتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول لوگوں کو ویرانے میں نہیں چھوڑنا چاہتے جہاں وہ کسی واضح، روشن اور متعین اخلاقی پروگرام کے بغیر لاحول ولا قوۃ اور تعوذ پڑھتے ہوئے، آنسو بہاتے ہوئے بھٹکتے پھریں۔ رسول اللہ ﷺ انسانی کمزوریوں سے بھی تنگ دلی محسوس نہیں کرتے بلکہ ان کا علاج کرتے ہیں جو بعض اوقات سست رو اور طویل بھی ہوتا ہے۔۔۔ ایک شخص ہے جو نماز قائم نہیں کرسکتا، اللہ کے رسول ﷺ نہ تو اسے بہت برا سمجھتے ہیں، نہ اس سے بیزار ہوتے ہیں بلکہ حتی الامکان اپنی مجلس میں شمولیت کا وعدہ لے لیتے ہیں اور سچ بولنے کا عہد و پیماں ہوتا ہے۔ اب یہ حقیقت کون نہیں جانتا کہ صحبت اقتداء اور صدق گوئی سے انسانی شخصیت نکھر جاتی ہے۔۔۔ پھر ایک اور شخص ہے جس کی شہوت کی آگ دہکتی رہتی ہے۔ وہ صراحت سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی شہوت سے بے قابو ہونے کا اعتراف کرتا ہے اور باز رہنے سے معذوری ظاہر کرتا ہے۔ اللہ کے رسول اسے بڑی نرمی سے سمجھاتے ہیں اور اسے اپنی ماں، بہن اور بیٹی کے حساس رشتے یاد دلا کر گناہ سے باز رہنے پر آمادہ کرتے ہیں۔

رسولِ رحمت ﷺ ۔۔۔ پیکرِ اخلاقِ حسنہ

اسلام کا تمام نظام اخلاق حقیقت پسندی اور واقعیت پر مبنی ہے۔ اسلامی نظام اخلاق کی حقیقت پسندی اور واقعیت کا ایک مظاہرہ اس وقت ہوا جب یہ پورے کا پورا نظام ایک انسانی شخصیت میں ودیعت کردیا گیا جو بالکل عام انسانوں کی طرح لوگوں کے ساتھ زندگی گزارتا تھا۔۔۔ باتیں کرتا تھا۔۔۔ لین دین کرتا تھا۔۔۔ اور اس تمام لین دین میں کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن (آپ کا اخلاق تو قرآن تھا) کی مجسم اور عملی تصویر تھا۔ روایت سنت سے نقل کرتے ہوئے علامہ سلیمان ندوی ’’الرسالۃ المحمدیہ‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’پیدائش، شیر خوارگی، بچپن، ہوش و تمیز، جوانی، تجارت، آمدو رفت، شادی، احباب قبل نبوت، قریش کی لڑائی اور قریش کے معاہدے میں شرکت، امین بننا، خانہ کعبہ میں پتھر نصب کرنا، رفتہ رفتہ تنہائی پسندی، غار حرا کی گوشہ نشینی، وحی اسلام کا ظہور، دعوت، تبلیغ، مخالفت، سفر طائف، معراج، ہجرت، غزوات، حدیبیہ کی صلح، دعوت اسلام کے نام و پیام، اسلام کی اشاعت، تکمیل دین، حجۃ الوداع، وفات، ان میں سے کون سا زمانہ ہے جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں اور آپ کی کون سی حالت ہے جس سے اہل تاریخ ناواقف ہیں۔۔۔ آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے، دوست احباب، نماز روزہ، دن رات کی عبادت، صلح و جنگ، آمد و رفت، سفر و حضر نہانا دھونا، کھانا پینا، ہنسنا رونا، پہننا اوڑھنا، چلنا پھرنا، ہنسی مذاق، بولنا چالنا، خلوت جلوت، ملنا جلنا، طور و طریق، رنگ و بو، خدو خال، قدو قامت، یہاں تک کہ میاں بیوی کے خانگی تعلقات اور ہمخوابی و طہارت کے واقعات، ہر چیز پوری روشنی میں مذکور معلوم اور محفوظ ہیں‘‘۔

’’بڑے سے بڑے آدمی بھی اپنے گھر میں معمولی ہوتے ہیں اسی لئے وولٹیر کے مشہور فقرے کے مطابق کوئی شخص اپنے گھر کا ہیرو نہیں ہوتا۔

No Man is a Hero to his valat باسمورتھ سمتھ کی رائے میں کم از کم یہ اصول پیغمبر اسلام کے متعلق صحیح نہیں۔۔۔ بڑے سے بڑا انسان جو ایک ہی بیوی کا شوہر ہو وہ بھی یہ ہمت نہیں کرسکتا کہ وہ اسی کو یہ اذن عام دے دے کہ تم میری ہر بات، ہر حالت اور ہر واقعہ برملا

کہہ دو اور جو کچھ چھپا ہے وہ سب پر ظاہر کردو مگر آنحضرت ﷺ کی بیک وقت نو بیویاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک کو یہ اذن عام تھا کہ خلوت میں مجھ میں جو کچھ دیکھو وہ جلوت میں سب سے برملا بیان کردو۔ جو رات کی تاریکی میں دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کردو۔ جو کوٹھڑیوں میں دیکھو اس کو کھلی چھتوں پر پکار کر کہہ دو۔ اس اخلاقی وثوق و اعتماد کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟''

''موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہمارے سامنے عظیم بشری قوت کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں بھی ہمیں جو کچھ معلوم ہے وہ خاکساری، تواضع، رقت طبع، خوش خلقی اور نرم مزاجی کا رنگ ہے۔ مگر ان دونوں میں امتزاج کی نادر مثال ہمیں سیرت نبوی ﷺ ہی میں مل سکے گی۔ آپ ﷺ ہی کی زندگی متنوع نمونے پیش کرتی ہے جن میں حیات انسانی کے تمام اطوار کے لئے اسوۂ حسنہ اور اعلیٰ نمونہ موجود ہے''۔

تو کیا اس تمام عملی نظام اخلاق میں کوئی شے خیالی یا تصوراتی نظر آتی ہے۔۔۔؟ کیا یہ ایک کامل اور قابل عمل اخلاقی نظام نہیں ہے۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام کا یہ بلند مثال اخلاقی نظام اپنی ذات میں ایک حقیقتِ واقعی اور قابلِ عمل ضابطہ حیات ہے۔ تطبیقی وسائل، استثنائی حالات و واقعات رکھنے کی گنجائش اور بغیر کسی نقص اور جھول کے ایک کامل اور متماثل نظام ہونے میں واقعی اور حقیقت پسند ہے۔

رہا یہ سوال کہ اقتصادی حالت اور معاشی معیار بھی تو اخلاق پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بھوک اور حاجت مندی انسان کو چوری اور جھوٹ پر اور عورت کو بدکاری پر مجبور کرسکتے ہیں؟ تو اسلام کو بھی ان حقائق کا مکمل اندازہ ہے۔ اس لئے اخلاقی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور پیٹ کو ضمیر کا بوجھ بننے سے بچانے کے لئے دین اسلام حقوقِ معاش کی پوری پوری ضمانت دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط سالی میں بھوکے انسانوں پر چوری کی حد لگانے سے انکار کردیا تھا۔۔۔

سچ تو یہ ہے کہ رسالت سماویہ کی اعلیٰ مثالی اخلاقی قدریں روئے زمین کی ٹھوس حقیقت پر قائم ہیں۔ اللہ کے دین کی خوبیاں انسانوں کی دنیاوی زندگی کو خوشیوں میں بدلنے کے لئے ہیں۔ ''نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرلیا کرو بلکہ نیک تو وہ ہے جو اللہ آخرت کے دن، فرشتوں، کتابوں اور انبیاء پر ایمان لایا۔ اپنا مال اللہ کی محبت کے لئے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں اور غلاموں کو آزاد کرنے میں خرچ کرے، نماز پڑھے، زکوٰۃ دے اور جو اپنے کئے گئے وعدے کو پورا کریں۔ تنگی، تکلیف اور مقابلے کے وقت صبر کریں۔ یہی لوگ تو سچے ہیں اور یہی متقی ہیں''۔

تعلیماتِ مصطفیٰ ﷺ کا نفسیاتی پہلو

شفاقت علی شیخ ☆

اللہ رب العزت نے انسان کو اپنی قدرتِ کاملہ کا شاہکار بناتے ہوئے اُسے بے شمار ظاہری و باطنی صلاحیتوں سے مالا مال فرمایا۔ اُسے ایک سوچنے والا دماغ اور دھڑکتا ہوا دل عطا فرمایا۔ اُسے غور وفکر کرنے کی منفرد صلاحیت عطا فرمائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا کر حصولِ علم کے لامحدود دروازے کھول دیئے۔ فرشتوں کے مقابلے میں حضرت آدم علیہ السلام کی برتری کی بنیاد بھی علم کو ہی قرار دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ علمی ورثہ اگلی نسلوں کو منتقل ہوتا رہا اور ہر زمانے میں غور وفکر کے ذریعے اس ذخیرے میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

صدیوں پہلے انسان نے اللہ رب العزت کی دی ہوئی فطری صلاحیتوں کو استعمال میں لاتے ہوئے کائنات کے حقائق پر غوروفکر کرنا شروع کیا۔ کائنات کی تخلیق، اس کے مختلف مظاہر اور خود انسانی وجود کے حوالے سے بے شمار سوالات تھے جو انسان کو غوروفکر کی دعوت دے رہے تھے۔ انسان نے ان پر غور کرنا شروع کیا اور سوچ بچار کے نتیجے میں نئے نئے علوم وفنون معرض وجود میں آتے گئے۔ پچھلی نسلوں کے تجربات و مشاہدات اگلی نسلوں کو منتقل ہونے کے ساتھ ساتھ ہر آنے والے دن میں علم کے نئے نئے زاویے آشکار ہوتے چلے گئے۔ ان تمام انسانی کوششوں اور کاوشوں کے نتیجے میں جو علم معرضِ وجود میں آیا اُسے سائنس کا نام دے دیا گیا۔

جیسے جیسے علم میں پھیلاؤ آیا تو پھر علم کی تقسیم (Classification) شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے علم کی سینکڑوں شاخیں (Branches) معرضِ وجود میں آ گئیں۔ اُن شاخوں میں سے ہی ایک کا نام فلسفہ ہے جس کا مقصد بطورِ خاص حقائقِ حیات پر غور کرنا ہے۔ فلسفہ صدیوں تک زندگی کے حقائق پر غوروفکر کرتا رہا اور اپنی دانست میں حقائق کی گتھیوں کو سلجھاتا رہا۔ اس سفر میں بے شمار نشیب وفراز بھی آئے، ٹھوکریں بھی کھائیں مگر بہر حال فلسفے کا سفر جاری رہا۔ فلسفہ میں سے ہی چلتے چلتے علم کی ایک اور شاخ نکل آئی جس کا نام نفسیات رکھا گیا۔ علم نفسیات کا مقصد بطورِ خاص انسانی شخصیت اور کردار کو زیرِ بحث لانا تھا تاکہ انسانی رویہ جات کو سمجھ کر شخصیت کی بہتری کے اصول وضع کیے جا سکیں۔

علم نفسیات کی تاریخ بحیثیت ایک علم اور سائنس کے تو بہت قدیم نہیں ہے تاہم دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو یہ علم اتنا ہی قدیم ہے جتنی خود یہ کائنات۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب سے کسی انسان نے اپنے متعلق سوچنا شروع کیا تب سے ہی یہ علم معرضِ وجود

☆ shafaqatalisheikh@yahoo.com

میں آ گیا۔ پھر رفتہ رفتہ اس علم کی باقاعدہ شکل بنی، اس کے اندر وقتاً فوقتاً مختلف تجربات اور مشاہدات ہوتے رہے۔ نئی نئی تحقیقات اس کے ذخیرے میں اضافہ کرتی رہیں اور اب یہ علم اتنا پھیل چکا ہے کہ خود اس کے اندر کئی ضمنی شاخیں معرضِ وجود میں آ چکی ہیں۔

معروف سائنس دان الفریڈ آئن سٹائن کا ایک مشہور قول ہے:

Science without religion is lame, religion without science is blind.

''مذہب کے بغیر سائنس لنگڑی ہے۔ سائنس کے بغیر مذہب اندھا ہے''۔

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ سائنس کو اپنی تحقیقات آگے بڑھانے کے لیے مذہب کی بیساکھیوں کی ضرورت ہے کہ وحی کے ذریعے منکشف ہونے والے حقائق کو لے کر وہ اُس پر تجربات کر کے نئے نئے نتائج اخذ کرتی ہے۔ دوسری طرف مذہب کو آگے بڑھنے کے لیے سائنس کی ضرورت ہے کہ مذہب نے جو تھیوری پیش کی ہوتی ہے سائنس اُس کو عملی طور پر صحیح ثابت کر کے اُس کے لیے تقویت کا ذریعہ بنتی ہے۔

ضروری نہیں کہ ہم اس قول کے دوسرے حصے سے بھی کلیتاً اتفاق کر لیں۔ تاہم اتنی بات ماننی ہی پڑے گی کہ مذہب نے صدیوں پہلے جن حقائق کا انکشاف کیا تھا سائنس کی تحقیقات و ایجادات اُن کی تصدیق کرتی چلی جا رہی ہیں اور ہر آنے والا دن مذہب (بالخصوص دینِ اسلام) کی صداقت کو روزِ روشن کی طرح عیاں کرتا چلا جا رہا ہے۔ انسانی زندگی اور کائنات کے متعلق کتنی ہی باتیں ہیں جو قرآنِ مجید نے مدتوں پہلے بیان کر دیں۔ آج سائنس صدیوں کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اُن تمام باتوں کو من وعن تسلیم کرتی چلی جا رہی ہے۔

دین اور علم نفسیات کا باہمی تعلق

یوں تو تمام علوم کا مذہب/ دین کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا تعلق ہے لیکن علمِ نفسیات کا تعلق مذہب/ دین کے ساتھ بطورِ خاص اس طرح ہے کہ مذہب/ دین کی تعلیمات کا مرکز و محور بھی انسان ہے کہ انسان کس طرح اپنی شخصیت کو بہتر بنا کر ترقی و عروج کی طرف جا سکتا ہے۔ دوسری طرف علمِ نفسیات کا موضوع بھی انسان ہی ہے کہ اُس کی سیرت و کردار اور رویہ جات کے اندر کس طرح بہتری لائی جا سکتی ہے۔ لیکن دونوں میں نمایاں فرق یہ ہے کہ ایک طرف دانشِ رحمانی ہے جو ہر قسم کی غلطی و سہو سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ دنیوی زندگی کے محدود مفادات سے آگے بڑھ کر اخروی سعادت و فلاح کو بھی اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ جب کہ دوسری طرف دانشِ انسانی ہے جس کے اندر غلطی و سہو کا امکان بھی پوری طرح موجود ہے اور جس کا مطمع نظر عموماً دنیوی زندگی کو بہتر انداز میں گزارنے تک محدود رہتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

کلمة الحکمة ضالة المومن اخذ من حیث وجد

''حکمت کی بات مومن کی گمشدہ میراث ہوتی ہے۔ جہاں سے بھی اُسے ملتی ہے وہ لے لیتا ہے۔''

لیکن اس میں ایک شرط رکھی گئی ہے کہ

خذ ما صفا و دع ما کدر

''جو صاف ہے وہ لے لو اور جو گدلا ہے اُسے چھوڑ دو''

صاف اور گدلے کو پرکھنے کا پیمانہ پھر مذہب کو ہی قرار دیا جائے گا جو چیز قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پوری اترے گی اُسے قبول کر لیا جائے گا۔ اور جو چیز کسی بھی درجے میں متضاد ہوگی اُسے رد کر دیا جائے گا اگرچہ بظاہر دیکھنے میں کتنی ہی خوبصورت دکھائی دے۔ عربی زبان میں کہا جاتا ہے:

کلام الملوک ملک الکلام

''بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے''

اور بقول حضرت واصف علی واصفؒ

''پیغمبر کی بات، باتوں کی پیغمبر ہوتی ہے''

لہٰذا اسلام اور ایمان اس چیز کا نام ہے کہ قرآن

اور صاحبِ قرآن کی بارگاہ میں آ کر اپنی عقل و فکر کے چراغوں کو بجھا دیا جائے اور یہاں سے ملنے والی ہر چیز کو آنکھیں بند کر کے من وعن تسلیم کر لیا جائے۔ اس لئے کہ

لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ.

''نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ کوئی خشک چیز مگر روشن کتاب میں (سب کچھ لکھ دیا گیا ہے)''۔ (الانعام:۵۹)

نیز فرمایا:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ. (الانعام:۳۸)

''ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (جسے صراحتہً یا اشارۃً بیان نہ کر دیا ہو)''۔

اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ

لو ضاع لی عقال بعیر لوجدته فی کتاب الله

''اگر میرے اونٹ کی نکیل بھی گم ہو جاتی تو میں اُسے بھی قرآن میں تلاش کر لیتا''

اسی طرح حضور ﷺ کو جو اُسوۂ حسنہ اور سیرتِ مبارکہ دی گئی وہ بھی ہر لحاظ سے کامل اور جامع ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب:۲۱)

''فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے''۔

لہٰذا اب قیامت تک کے لیے جو شخص بھی ہدایت و راہنمائی کا طلب گار ہو اُسے قرآن و سنت کی دہلیز پر آنا پڑے گا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا:

قد ترکت فیکم امرین ان تمسکتم بهما لن تضلوا ابدا وهی کتاب الله و سنتی

''بے شک میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک ان دونوں کو تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہیں۔''

تاہم جب انسانی فکر ہزارہا سال تک ٹھوکریں کھانے کے بعد کسی ایسے نتیجے پر پہنچتی ہے جو نبوت کی بارگاہ سے صدیوں پہلے بیان ہو چکا ہوتا ہے تو ایمان میں مضبوطی کے ساتھ ساتھ ایمان کا لطف بھی دو آتشہ ہو جاتا ہے۔

اس ضروری تمہید کے بعد اب جس نکتے کو بیان کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ علم نفسیات کے اندر پچھلی چند دہائیوں میں Self Help کے حوالے سے کافی ساری کتابیں منظر عام پر آئی ہیں جن کا مقصد ان کتابوں میں دیئے گئے اصولوں کو استعمال کرتے ہوئے شخصیت کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ کامیابی و کامرانی کو حاصل کرنا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کتاب 2006ء میں "The secret" کے نام سے چھپی۔ جس کی مصنفہ ایک خاتون رہونڈا بائرن (Rhonda Byren) ہیں۔ مصنفہ کے بقول اس کتاب کے چھپنے کے دو سال پہلے تک اُس کی زندگی بکھر چکی تھی، اپنے پرائے منہ موڑ چکے تھے، ہر طرف مایوسیاں اور ناامیدیاں تھیں کہ نفسیات کی ایک سو سالہ پرانی کتاب "The science of Getting Rich" اُس کے ہاتھ لگی اور اس کتاب میں سے اُس کے ہاتھ وہ راز آ گیا جسے استعمال کرنے کے ساتھ ہی اُس کے حالات بدلنا شروع ہو گئے۔ مصنفہ کے بقول یہ راز کوئی نیا نہیں بلکہ بہت پرانا ہے اور ہر زمانہ کے مشہور اور کامیاب لوگ اسے استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ تاہم یہ راز سینہ بہ سینہ چلا آ رہا تھا لیکن اُس نے اسے پہلی بار کھول کر باقاعدہ ایک فارمولے کے طور پر بیان کیا ہے جسے استعمال کر کے کوئی بھی شخص اپنی زندگی میں جو چاہے پا سکتا ہے اور جو بننا چاہے بن سکتا ہے۔ چنانچہ مصنفہ نے اس راز کو عام کرنے کے لیے پہلے ایک فلم بنائی اور بعد ازاں اس حوالے سے ایک پوری کتاب لکھ دی جس کا نام "The Secret" رکھا۔ یہ کتاب 2006ء میں چھپی اور اب تک اس کی لاکھوں کاپیاں دنیا بھر میں فروخت ہو چکی ہیں۔ اور آج سیلف ہیلپ (Self Help) کے سلسلے میں لکھی جانے

والی کتابوں میں یہ ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔

اصولِ نفسیات اور تعلیماتِ اسلام

آیئے! دیکھتے ہیں کہ وہ راز کیا ہے اور تعلیمات مصطفےٰ ﷺ کی روشنی میں اُسے کس طرح استعمال کر کے خود بیان کرنے والوں سے بھی زیادہ اچھے نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

اس راز کو جاننے سے پہلے نفسیات کے تین اہم اصولوں پر غور کر لیں جن پر اس راز کی بنیاد رکھی گئی ہے، وہ اصول یہ ہیں:

۱۔ کائنات میں ہر چیز کی فراوانی ہے۔یہاں ہر شخص کے لیے پانے کے لیے سب کچھ یا بہت کچھ موجود ہے۔

۲۔ ہماری زندگی ہمارے خیالات سے ہی بنتی ہے جس طرح کے خیالات ایک انسان اکثر و بیشتر سوچتا ہے ۔ اُسی سانچے میں اُس کی شخصیت ڈھلنا شروع ہو جاتی ہے۔

۳۔ ہمارے خیالات صرف ہماری شخصیت پر ہی اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ ہمارے حالات کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جیسے ہمارے خیالات اور سوچیں ہوتی ہیں، اُسی طرح کے حالات ہمارے ارد گرد تخلیق ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔

ان تینوں باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہو ۔ بلکہ قرآن و حدیث کی تعلیمات ،انبیائے کرام کے معجزات اور اولیائے کرام کی کرامات جا بجا اس کی تصدیق کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

"The Secret" میں بیان کیا جانے والا راز مندرجہ ذیل تین نکات پر مشتمل ہے۔

۱۔مانگنا ۲۔یقین کرنا ۳۔محسوس کرنا

1۔ مانگنا

ہم جو کچھ اپنی زندگی میں بننا چاہتے ہیں یا جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں اُسے پانے کی پہلی شرط ہے ''مانگنا''۔ مانگنے کا مطلب ہے اُس کی ایک سچی آرزو اور خواہش دل میں پیدا کرنا۔اور پھر وقتاً فوقتاً اُس کے متعلق سوچتے رہنا۔علمِ نفسیات کا کہنا ہے کہ جس طرح زمین کے اندر کشش ثقل کا قانون ہے جس کے ذریعے وہ ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے اُسی طرح اس کائنات میں قانونِ کشش بھی موجود ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ہماری سوچیں وجود رکھتی ہیں اور ہم جس چیز یا جس حالت کو پانا چاہتے ہیں، اُس کے متعلق سوچتے رہنے سے قانونِ کشش کے ذریعے وہ چیزیں ہماری زندگی میں شامل ہونا شروع ہوجاتی ہیں اور کائنات کا خود کار نظام انہیں ہمارے لیے تخلیق کرنا شروع کر دیتا ہے لیکن اس کے لیے ایک سچی آرزو اور خواہش کا ہونا ضروری ہے اور ہمیں واضح طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کیا پانا چاہتے ہیں ؟اس کی مثال یوں ہے کہ بازار کے اندر تقریباً تمام چیزیں موجود ہوتی ہیں مگر جب ہم شاپنگ کے لیے بازار جاتے ہیں تو واپسی پر ہمارے ساتھ صرف وہی چیزیں آتی ہیں جن کی خواہش اور تمنا لے کر ہم بازار گئے ہوتے ہیں ۔اسی طرح کائنات کے پاس سب کچھ موجود ہے مگر آپ کو وہی کچھ ملنا ہے جس کی طلب وتمنا کو اپنے قلب و ذہن رکھتے ہوئے اُس پر اپنی توجہ کو مرکوز کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا اصول کو ذہن میں رکھتے ہوئے غور کریں کہ حضور ﷺ نے ہمیں دعا کی شکل میں جو بہترین اصول دیا ہے کیا وہ اسی اصول کی اعلیٰ ترین شکل نہیں ہے۔؟ اس فرق کے ساتھ کہ علمِ نفسیات ہمیں کائنات سے مانگنے کے لیے کہتا ہے جب کہ اُسوۂ رسول ﷺ ہمیں اپنی تمام ضروریات کائنات کے خالق و مالک سے مانگنے کے لیے کہتاہے۔ایک طرف تو ہمیں حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں قدم قدم پر ہر ہر موقع کی مناسبت سے انتہائی موزوں الفاظ میں کوئی نہ کوئی خوبصورت دعا ملتی ہے دوسری طرف

حضور ﷺ نے اپنی تعلیمات مبارکہ میں دعا کی اہمیت و فضیلت پر اتنا زور دیا ہے کہ اکثر کتب حدیث میں دعا کے حوالے سے الگ ابواب موجود ہیں۔ چند احادیث پر غور کریں:

اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ. ''دعا عبادت ہی ہے''

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ. ''دعا عبادت کا نچوڑ ہے''

انسان اللہ رب العزت سے مانگ تو اپنی ضروریات رہا ہے مگر پہلی حدیث میں اُس کے مانگنے کو عبادت قرار دیا جا رہا ہے۔ جب کہ دوسری حدیث میں اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر دعا کو عبادت کا بھی جو ہر بتایا جا رہا ہے۔ اسے کہتے ہیں ''آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام'' اور چونکہ دعا عبادت کی بھی اعلیٰ ترین شکل ہے اس لیے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

لَيْسَ شَيْءٌ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ.

''اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا سے زیادہ کوئی شے معزز نہیں ہے''

اور جب دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و منزلت والی چیز ہے تو وہ بندہ بھی خود بخود معزز بن جاتا ہے جو کثرت سے دعا مانگتا ہے۔ اللہ رب العزت نے چونکہ دعا کو اپنی عطاؤں کا ذریعہ بنایا ہے اس لیے وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ بندہ اُس سے زیادہ سے زیادہ مانگنے اور زیادہ سے زیادہ عنایات اور نوازشوں کا مستحق بنتا چلا جائے چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

سلوا اللّٰه من فضله فان اللّٰه عزوجل يحب ان يسئل

''اللہ تعالیٰ سے اُس کا فضل مانگا کرو۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اُس سے سوال کیا جائے''

اور دوسری طرف نہ مانگنے والوں کے حوالے سے فرمایا:

من لم يسئل اللّٰه يغضب عليه

''جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اُس پر ناراض ہوتا ہے۔''

ایک اور حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يا ابن آدم انك ان سألتني اعطيتك وان لم تسئلني غضبت عليك

''اے ابن آدم! اگر تو مجھ سے مانگے تو میں تجھے دوں گا اور اگر نہیں مانگے گا تو میں تجھ پر ناراض ہوں گا''

چنانچہ حضور ﷺ نے ہر چھوٹی بڑی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ليسئل احدكم ربه عزوجل حاجته حتى شسع نعله اذا انقطع

''تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنی ضرورت کی ہر چیز اپنے رب سے مانگے حتی کہ جب اُس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹے تو وہ بھی اُسی سے مانگے''

دعا انسان کے لیے کیا کچھ کر سکتی ہے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیثِ مبارکہ سے لگائیں:

لايرد القضاء الا الدعاء

''دعا کے علاوہ کوئی چیز تقدیر کو نہیں بدل سکتی''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

لن ينفع حذر من قدر ولكن الدعا ينفع مما نزل و مما لم ينزل فعليكم بالدعاء عباد اللّٰه

''کوئی بچانے والی چیز تقدیر کے معاملہ میں کام نہیں دیتی مگر دعا سب معاملات میں نفع دیتی ہے جو نازل ہو چکے ہیں اور جو ابھی نازل نہیں ہوئے۔ پس اے اللہ کے بندو! دعا کو لازم پکڑو''

دعا کی اتنی زیادہ اہمیت کے پیشِ نظر دعا سے محروم لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اعجز الناس من عجز فی الدعا

''بے شک لوگوں میں سب سے زیادہ عاجز (قابلِ ترس) وہ شخص ہے جو دعا میں عاجزی کرتا ہے۔'' (یعنی

سستی اور کاہلی کی وجہ سے دعا نہیں مانگتا ہے)

2۔یقین کرنا

"The Secret" میں دیئے گئے طریقہ کار کا دوسرا قدم ''یقین کرنا'' ہے یعنی اس بات کا پختہ یقین رکھنا کہ جو کچھ ہم مانگ رہے ہیں وہ لازماً ہمیں مل جائے گا۔ کیونکہ کائنات کے پاس ہر چیز فراوانی سے موجود ہے ۔بات صرف ہمارے طلب کرنے کی ہے ۔جونہی ہم کسی چیز کو طلب کرتے ہیں اور پھر اس بات کا پختہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ چیز ہمیں مل جائے گی تو ساری کائنات کا نظام ہمارے ساتھ موافقت کرتے ہوئے بذریعہ قانونِ کشش کے وہ چیز ہمارے قریب لانا شروع کر دیتا ہے۔اس کے برعکس اگر اُس چیز کو پانے کے حوالے سے ہمیں بے یقینی اور نا اُمیدی ہوگی تو ہمارے ذہن سے خارج ہونے والی سوچ کی منفی لہریں ہمارے اور اُس چیز کے درمیان حائل ہو جائیں گی اور قانونِ کشش مثبت چیزوں کی بجائے منفی چیزیں ہماری زندگی میں لانا شروع کر دے گا ۔لہٰذا دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم مانگیں اُس کے ملنے کا کامل یقین ہو۔

عربی زبان میں کہا جاتا ہے :

مَنْ طَلَبَ وَجَدَ.

''جوشخص کسی چیز کوطلب کرتا ہے وہ اُسے پا لیتا ہے''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں طلب کرنے اور پانے کے درمیان کوئی اجنبیت نہیں ہے بشرطیکہ طلب میں خلوص ہو اور اُس کے ملنے کا یقین ہو۔قرآن و حدیث سے اس یقین کے سلسلے میں ہمیں ٹھوس بنیادیں میسر آتی ہیں۔اللہ رب العزت نے قرآنِ مجید میں ارشادفرمایا:

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ. (البقرہ:١٨٦)

''میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے''۔

لہٰذا پکارنے والے کو پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ اُس کی ہر بات کو سنا جا رہا ہے اور صرف سنا ہی نہیں جا رہا بلکہ اُس کا جواب بھی دیا جا رہا ہے ۔یہی نہیں بلکہ اُسے قبول بھی کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ارشادفرمایا:

ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ. (المومن:٦٠)

''تم لوگ مجھ سے دعا کیا کرو میں ضرور قبول کروں گا''۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کا حکم دیا لیکن اُس کی قبولیت کا وعدہ نہیں فرمایا لیکن دعا کا حکم دیتے ہوئے ساتھ ہی وعدہ بھی فرما لیا کہ میں قبول کروں گا تاکہ بندہ مکمل طور پر یکسوئی، اطمینان اور کامل یقین کی حالت میں دعا مانگے۔حضور ﷺ نے اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشادفرمایا:

اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَة

''اللہ سے دعا مانگا کرو۔اس حال میں کہ تمہیں قبولیت کا مکمل یقین ہو''

یہاں جو لفظ موقنون استعمال ہوا ہے وہ لفظ ایقان سے ہے اور ایقان عربی زبان میں یقین کے اُس اعلیٰ ترین درجہ کو کہتے ہیں جہاں شک و شبہ کی ادنیٰ سی گنجائش بھی نہ ہو۔قبولیت کے اس یقین کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے خزانہ میں ہر چیز وافر مقدار میں موجود ہے۔ساری مخلوقات کو دے کر بھی اُس کے خزانہ میں ایک ذرہ بھر کمی نہیں آتی۔ چنانچہ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

يا عبادی لو ان اولکم و اٰخرکم وجنکم انسکم اجتمعوا فی صعيدواحد فسئلونی جميعا فاعطيت کل انسان منهم مسئلته لم ينقص ذلک مما عندی الا کما ينقص المخيط اذا غمس البحر

''اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے پچھلے، جن و انسان ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور سب مجھ سے

مانگیں اور میں اُن میں سے ہر ایک کا سوال پورا کر دوں تو یہ دینا میرے خزانہ میں کمی نہیں کرے گا مگر اتنی جتنی کہ سمندر میں ڈبونے سے سوئی سمندر کے پانی میں کمی کرے گی۔''!

ایک طرف تو اُس کے خزانے بھرے ہوئے ہیں اور دوسری طرف وہ ذات اپنے بندوں کے ساتھ حد درجہ مہربان اور قدردان ہے۔ چنانچہ بندوں کے اٹھے ہوئے ہاتھ واپس لوٹانا اُس کی بندہ پروری کو گوارا ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ لیستحی ان یبسط العبد الیہ بدیہ لیسالہ خیرا فیرد ھما خائبتین.

''بے شک اللہ تعالیٰ کو اس بات سے حیا آتی کہ بندہ اُس کی طرف اپنے ہاتھ پھیلا کر بھلائی کا سوال کرے اور اللہ تعالیٰ اُن ہاتھوں کو خالی لوٹا دے''

ویسے بھی ایمان والوں کو ہر حال میں اللہ رب العزت کی بارگاہ سے پُر امید رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا گیا۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ. (الزمر ۵۳)

''تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا''۔

اور حدیثِ قدسی میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

اَنَا عِنْدَظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ.

''میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہی اُس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔''

چنانچہ جو بندہ جیسا گمان اللہ تعالیٰ سے رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ویسا ہی سلوک اُس کے ساتھ کرتے ہیں لہٰذا جو بندہ دعا کی قبولیت کا یقین رکھے گا اُس کے لیے قبولیت یقینی ہے۔ لیکن یہاں یہ بات اہم ہے کہ بندہ اپنے محدود علم کی بنا پر کبھی کوئی ایسی چیز مانگ رہا ہوتا ہے جو اُس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے، کبھی وہ کسی معاملے میں جلد بازی کا مظاہرہ کر رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت کی طرف سے دعا کی قبولیت کا وعدہ تو ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ بندے کی سوچ کے مطابق ہی ہو۔ اللہ رب العزت کی ذات بندے کی مصلحت اور بھلائی کو بندے سے زیادہ بہتر جانتی ہے۔ چنانچہ وہ خود ہی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ کس دعا کو کس انداز میں قبول کرنا ہے۔ حضور ﷺ نے قبولیت کی تین شکلیں بیان فرمائی ہیں۔

من دعا بدعوة لیس فیھا اثم ولا قطیعة رحم اعطاہ اللہ عزوجل احدیٰ ثلاث: اما ان یغفر لہ بھا ذنباقد سلف، واماانُ یّعجلھا لہ فی الدنیا' واما ان ید خرھا لہ فی الاحزة

''جو آدمی ایسی دعا مانگے جس میں نہ کوئی گناہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ اس دعا کے بدلہ میں تین میں سے ایک چیز ضرور دیتا ہے یا اس دعا کی وجہ سے اس کا کوئی سابقہ گناہ معاف کر دیا جاتا ہے یا اسے وہ چیز (جو اس نے مانگی ہے) فوراً دنیا میں دے دی جاتی ہے یا یہ دعا اُس کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر لی جاتی ہے''

تعلیماتِ اسلام کی انفرادیت

جبکہ دوسری طرف علم نفسیات پر غور کیا جائے گا تو اس کے پاس خواہش اور آرزو کے پورا نہ ہو سکنے کی بنا پر متبادل کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا مایوسی ہی ہے جب کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو متبادل راستے دکھا کر تسلی دے دی کہ اگر مطلوبہ خواہش پوری نہیں بھی ہو رہی ہے تو اطمینان رکھو اُس کا کوئی اور بہتر نعم البدل مل جائے گا اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ دعا کی قبولیت کے انتظار میں پُر امید رہنے کو اعلیٰ درجے کی عبادت قرار دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

افضل العبادة انتظار الفرج.

''بہترین عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے''

پھر حالات مرضی کے مطابق بن جائیں تو شکر کے ذریعے استقبال کرنا ہے اور جہاں صورتِ حال مرضی کے خلاف ہو تو وہاں صبر کا دامن تھام لینا ہے اور یہ دونوں

حالتیں ہی بندہ مومن کے لیے سراسر خیر ہی خیر ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

عجبا لامر المومن ان امرہ کلہ لہ خیر ولیس ذلک لاحد الا للمومن ان اصابتہ سرآء شکر فکان خیراً لہ وان اصابتہ ضرآء صبر فکان خیرا لہ.

''مومن کا حال عجیب ہے اُس کا ہر معاملہ ہی اُس کے لیے خیر ہے اور یہ چیز سوائے مومن کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اگر اُسے کوئی بھلائی پہنچے تو شکر کرتا ہے اور یہ شکر کرنا اُس کے لیے بہتری کا باعث بنتا ہے اور اگر اُسے کوئی برائی پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ صبر کرنا بھی اُس کے لیے بہتری کا ذریعہ بنتا ہے''

مندرجہ بالا حقائق جس بھی بندۂ مومن کے دل میں اُتر جائیں گے اُس کے لیے کسی بھی قسم کی صورتِ حال میں پریشانی کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ وہ ہر قسم کے حالات میں پُر اُمید رہ سکتا ہے اور اپنے آپ کو منفی خیالات سے بچا کر پُر اُمید رہ سکتا ہے۔ اور یہ بات طے ہے کہ ہمارے تمام مسائل کی جڑ ہماری منفی سوچ ہی ہے اور تمام خوبیوں کا منبع و سرچشمہ مثبت سوچ کو اپنانا اور اُس پر قائم رہنا ہے۔

3۔ محسوس کرنا

اس طریقہ کار کا تیسرا اور آخری مرحلہ ہے ''محسوس کرنا'' یعنی جو چیز یا جس حالت کو پانے کی آرزو آپ لیے ہوئے ہیں اور اُس کے مل جانے کا یقین بھی آپ کے اندر موجود ہے ایک قدم آگے بڑھیں اور یوں محسوس کریں جیسے آپ اپنی مطلوبہ چیز یا حالت کو پا چکے ہیں۔ جیسے آپ بننا چاہتے ہیں ویسے بن چکے ہیں اور جو کچھ آپ پانا چاہتے ہیں، پا چکے ہیں۔ یہ احساس کائنات کی ساری قوتوں کو حرکت میں لے آئے گا اور آپ ایک مقناطیس کی طرح ہر اچھی چیز کو اپنی طرف کھینچتے چلے جائیں گے۔ کسی چیز کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہماری سوچوں کی فریکونسی کی وہی سطح ہو اور اس کا آسان ترین طریقہ اُن چیزوں کو پہلے سے ہی اپنے پاس محسوس کرنا ہے۔

اللہ رب العزت نے انسان کو جو منفرد صلاحیتیں دے رکھی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم ماضی و مستقبل میں جھانک کر دیکھ سکتے ہیں اور تصورات کے ہوائی قلعے تعمیر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک چیز جو آج ہمارے پاس نہیں ہے ہم اپنی سوچ کو مستقبل میں لے جا کر خود کو اُس کا مالک سمجھتے ہوئے اور اُسے استعمال میں لاتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ یا کوئی ایسی خوبی جو آج ہمارے اندر موجود نہیں ہے تو ہم تصورات میں اپنے آپ کو اُس خوبی سے متصف دیکھتے ہوئے اُس کے مطابق خود کو عمل کرتے ہوئے محسوس کر سکتے ہیں گو کہ یہ عمل بظاہر ایک مضحکہ خیز کام دکھائی دیتا ہے لیکن قانونِ کشش کو زبردست طریقے سے حرکت میں لانے اور ہمیں ہماری مطلوبہ چیز یا حالت کا مالک بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

شکر میں پنہاں حکمتیں

مندرجہ بالا سطور میں دعا کے حوالے سے جو باتیں کہی گئی ہیں اُن کی روشنی میں ایک بندہ مومن کے لیے اس بات پر عمل کرنا چنداں دشوار نہیں ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو اُس کے پاس دعا کا ہتھیار ہونے کے ساتھ ساتھ اُس کی قبولیت کا یقین بھی موجود ہے اور دوسری طرف اُس کے پاس تصورات کی طاقت بھی موجود ہے۔ تو ان دونوں کے امتزاج سے وہ کسی بھی حالت کو مستقبل میں رونما ہوتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔

تاہم ڈاکٹر میر ولی الدین نے اپنی خوبصورت کتاب ''قرآن اور تعمیرِ سیرت'' میں اس کا ایک اور آسان حل بھی دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان ماضی اور حال کی نعمتوں کو یاد کر کے شکر بجا لائے اور ماضی کے ایسے مواقع

کا تصور کرے جہاں اللہ رب العزت نے اپنی خصوصی مدد و نصرت سے اُسے کسی مشکل یا الجھن سے نکالا تھا۔ ایسے مواقع پر شکر بجا لانے کے ساتھ ساتھ یہ سوچے کہ اللہ رب العزت کی طاقتیں اور قدرتیں آج بھی وہی اور آئندہ بھی وہی رہیں گی چنانچہ جو کچھ اُس نے مجھے ماضی میں دیا وہ سب کچھ بھی اور اُس کے علاوہ بھی سب کچھ وہ مجھے آئندہ بھی دے سکتا ہے۔ چنانچہ ماضی و حال کی نعمتوں کا شکر بجا لانے کے ساتھ ساتھ مستقبل میں ملنے والی نعمتوں کا بھی شکر زمانہ حال میں ادا کرے اور یوں محسوس کرے جیسے وہ نعمتیں اُسے مل چکی ہیں۔ یہ شکر گویا نعمتوں کی ایڈوانس بکنگ کے مترادف ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایک طرف تو لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں نعمتوں میں اور اضافہ کردوں گا) کے وعدہ الٰہی کے مطابق سابقہ نعمتوں کے تحفظ کے ساتھ ساتھ آئندہ کے لیے مزید نعمتوں کے دروازے کھلنا شروع ہوجائیں گے۔ (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شکر ادا کرنے پر نعمتوں میں اضافے کا وعدہ خود فرما رکھا ہے اور وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا) اور دوسری طرف اُس کے محسوسات کی قوت اُس کی ذہنی فریکوئنسی کو اُس سطح پر لے آئے گی جہاں وہ نعمتوں کو وصول کرنے کا مستحق بن سکے۔

راقم کے خیال میں یہ بہت ہی شاندار نسخہ ہے۔ ایک عام آدمی اپنے ماضی کے منفی اور ڈراؤنے واقعات و حادثات کو یاد کر کے اپنے اندر ڈر، خوف اور وہم جمع کرتا رہتا ہے اور مستقبل کے حوالے سے بے یقینی کا شکار ہوتا ہے یہی بے یقینی اُس کے اندر منفی سوچوں کو پیدا کرتی ہے جس کے نتیجے میں مزید منفی چیزیں اُس کی زندگی میں آتی چلی جاتی ہیں اور ماضی کے ساتھ ساتھ حال اور مستقبل بھی تباہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کی بجائے اگر انسان غور کرے تو ماضی میں ایسے بہت سے مواقع آئے جب اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی مدد و نصرت سے اُسے کسی بہت بڑی مشکل سے نکال لیا یا کسی حادثے میں اُسے بال بال بچا لیا۔ تو اس کے نتیجے میں ذہن کے اندر مثبت سوچیں اور خوشگوار احساسات جنم لیں گے اور اس ذہنی کیفیت میں اپنی مطلوبہ صفات اور پسندیدہ اشیاء کو پانا آسان سے آسان تر ہوتا چلا جائے گا۔

حضور ﷺ کی حیوٰۃِ طیبہ میں دعا کی طرح شکر کا جذبہ بھی قدم قدم پر کثرت کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔ کھانے، پینے، پہننے، نیند سے بیدار ہونے، رفع حاجت سے فارغ ہونے وغیرہ جیسے مواقع کی جو دعائیں ہیں اُن سب کے اندر شکر کا جذبہ اُبلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اُن میں سے ہر دعا کا آغاز الحمد للہ سے ہو رہا ہے جو کلمہ شکر ہے اور جس کو حضور ﷺ نے بہترین دعا بھی قرار دیا ہے۔ نیز حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ انسان لقمہ کھائے اور الحمد للہ پڑھے پانی کا گھونٹ پیئے اور الحمد للہ پڑھے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو قدم قدم پر شکر گزاری کے جذبات سے لبریز ہونا چاہیے اور اُسے یہ احساس ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے بے شمار نعمتوں سے نواز رکھا ہے تاکہ وہ محرومیوں کے احساس میں جینے کی بجائے ہر وقت پُر امید اور نعمتوں کے تصور سے سرشار رہے۔ یہ شکر گزاری کا جذبہ اتنا اہم ہے کہ اس کا دائرہ کار فقط خدا تک رکھنے کی بجائے پوری مخلوق تک پھیلا دیا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰه.

''جو شخص بندوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بھی نہیں بن سکتا''

گویا روزمرہ کی زندگی میں قدم قدم پر بندوں کے ساتھ معاملات میں شکر گزاری والی روش کو اپنانا ہے اور پھر اسی چیز کو بڑے پیمانے پر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنانا ہے تاکہ یہ شکر گزاری والی روش انسان کی طبیعت اور مزاج کا حصہ بن جائے اور اُس کے قلب و ذہن کو مثبت احساسات سے لبریز کر دے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

اذا نظر احدکم الیٰ من فضل علیه فی المال و الخلق فلینظر الیٰ من هو اسفل منه ذلک

ادنیٰ الا تزدروا نعمة الله علیکم.

’’تم میں سے جب کوئی ایسے شخص کی طرف دیکھے جسے مال اور جسمانی قوت میں برتری دی گئی ہو تو اُسے چاہیے کہ (اپنی توجہ کا رخ پھیرتے ہوئے) ایسے شخص کی طرف دیکھے جو ان چیزوں میں اُس سے کم ہے۔ یہ بات اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں کو حقیر نہ سمجھو‘‘

اس نصیحت کا مقصد یہی ہے کہ جب انسان اپنے سے اوپر والے کی طرف دیکھے گا تو اُس کے اندر محرومی کے احساسات بیدار ہوں گے جو اُسے منفی نفسیات کی طرف لے جائیں گے اور منفی نفسیات انسان کی صلاحیتوں کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ اس کے برعکس نیچے والے کی طرف دیکھنے سے اپنے پاس محرومی کی بجائے یافت کے احساسات پیدا ہوتے ہیں جو مثبت نفسیات کا باعث بنتے ہیں اور مثبت نفسیات کے اندر ہی ہر قسم کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا راز چھپا ہوا ہے۔

احساس کے ساتھ جہدِ مسلسل بھی۔۔۔

"The Secret" نے تو خوشگوار اور کامیاب زندگی کے حصول کے لیے یہ تین باتیں بیان کی ہیں۔ لیکن اسلام ان تینوں باتوں کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ایک بات کا اور اضافہ کرتا ہے اور وہ ہے جدوجہد۔ اسلامی تعلیمات کا کہنا یہ ہے کہ انسان جن مقاصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے اُن کو پانے کے لیے اللہ رب العزت سے مدد مانگنے کے ساتھ ساتھ جہدِ مسلسل کو اپنا شعار بنائے یعنی اپنے خوابوں کی تعبیر کو پانے کے لیے جو کچھ وہ اپنے امکان کی حد تک کر سکتا ہے ضرور کرے اور اُس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے نتائج کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔ چنانچہ اس قانون کو بیان کرتے ہوئے قرآنِ مجید نے کہا ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى. (النجم: ۳۹)

اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس

انتباہ! یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ بعض نادان دوست اپنے ذاتی کاروبار میں تحریک اور قائد تحریک کا حوالہ دیکر لوگوں کو راغب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے تمام لوگ دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں۔ نیز مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔ (ادارہ)

کی اُس نے کوشش کی ہوگی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)‘‘۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا:

العاجز من اتبع نفسه هو اها وتمنى على الله.

’’عاجز وہ شخص ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے (بڑے بڑے مراتب کی) اُمیدیں رکھتا ہے‘‘

خلاصہ کلام

دین، دنیا اور آخرت کی جملہ سعادتوں کے حصول کے لیے انسان کثرتِ دعا اور کثرتِ شکر کے ساتھ ساتھ خیالات و تصورات کی طاقت کو بھرپور طریقے سے استعمال میں لائے۔ ہمیشہ اپنی سوچ کو مثبت اور پُر امید رکھے۔ کسی حال میں بھی مایوسی، بے یقینی اور پست ہمتی کا شکار نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ جہدِ مسلسل کو اپنا شعار بناتے ہوئے اپنے معاملات کی تکمیل اور مقاصد کے حصول کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں اور وسائل و ذرائع کو بہترین انداز میں استعمال میں لاتے ہوئے نتائج کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ اور اعتماد رکھے۔ ان شاء اللہ العزیز دنیا و آخرت کی کامیابیاں اُس کے قدم چومتی چلی جائیں گیں۔ (**وما توفیق الا باللہ**)

حضور نبی اکرم ﷺ کی وسعتِ رحمت
غیر مسلمین کے اعترافات

محمد افضل کانجو

سیرت مصطفیٰ ﷺ کو اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ایسے لگتا ہے جیسے گونا گوں رنگوں اور بے مثال خوشبوؤں والے پھولوں کا گلشن ہو لیکن اس زیرِ نظر مضمون میں اس پورے گلشن کو بیان کرنا مقصود نہیں اور ممکن بھی نہیں۔ یہاں صرف ایک خوش رنگ پھول کی خوشبوؤں کو بیان کرنے کی کوشش کرنا مقصود ہے جو ''رحمت'' کا پھول ہے۔ جس کی طرف اللہ رب العزت نے اس طرح ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ. (الانبیاء: ۲۱:۱۰۷)

''اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر''۔

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنۡتَ لَهُمۡ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ.

''(اے حبیبِ والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تُندخُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے''۔ (آل عمران ۳:۱۵۹)

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

اِن رحمتوں کی خوشبو کی طرف بعض متعصب اور تنگ نظر مستشرقین اور غیر مسلمین نے نہ دیکھا اور نہ اس کی خوشبو کو سونگھا۔ اس لئے انہوں نے آپ ﷺ کی سیرت پاک کو بیان کرتے وقت آپ کی رحمت کو نہ صرف نظر انداز کردیا بلکہ سیرت پاک کی تصویر کو منفی انداز میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

ان متعصب مستشرقین، راہبوں اور غیر مسلم مخالف مصنفین اور کیری کیچرسٹس (Caricaturists) کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی دفاعی جنگوں کو صحیح طور پر نہیں سمجھا اس لئے آپ ﷺ کی رحمت سے انکار کردیا اور آپ کو سخت مزاج۔۔ وغیرہ تک ظاہر کیا۔ حالانکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ ان جنگوں پر حضور اقدس ﷺ کے دشمنوں نے آپ ﷺ کو مجبور کردیا تھا۔

متعصب مخالفین کے اس رویے کے باوجود بھی بعض غیر متعصب اور انصاف پسند اغیار نے آپ ﷺ کی رحمت کے پہلو کو اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ

الفضل ماشهدت به الاعداء.

''جس کی گواہی اعداء بھی دے دیں وہ فضیلت ناقابل انکار ہوتی ہے''۔

گو کئی قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے حضور اقدس ﷺ کی رحمت عامہ کا واضح اظہار سامنے آتا ہے مگر غیر مسلم چونکہ قرآن و حدیث کو مانتا ہی نہیں، لہذا

ہم غیر مسلموں کے اہم محققین اور مستشرقین کے حوالوں ہی سے حضور اقدس ﷺ کی حیات طیبہ کے غالب پہلو ''رحمت'' کو بیان کرتے ہیں۔

۱۔ جارج برنارڈ شا

جارج برنارڈ شا نے اعتراف کیا ہے کہ ''از منہ وسطیٰ میں راہبوں نے جہالت اور تعصب کی وجہ سے مذہب اسلام کی بڑی بھیانک تصویر پیش کی ہے۔ اس کے خلاف تحریک چلائی اور (حضرت) محمد (ﷺ) کو (بھی) اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا''۔

(سیرت امام الانبیاء علیہ السلام ص ۳۴۲ از سید محمد سعید الحسن شاہ مکتبہ نوریہ رضویہ، گلبرگ اے، فیصل آباد ۲۰۰۱ء)

۲۔ مائیکل ہارٹ

''(حضرت) محمد (ﷺ) نے عاجزانہ طور پر (یعنی ظالمانہ طور پر نہیں بلکہ رحمت سے) اپنی مساعی کا آغاز کیا اور دنیا کے عظیم مذاہب میں سے ایک مذہب کی بنیاد رکھی اور اسے پھیلایا۔ وہ ایک انتہائی موثر سیاسی رہنما بھی ثابت ہوئے۔ آج تیرہ سو برس گزرنے کے باوجود ان کے اثرات انسانوں پر ہنوز مسلّم اور گہرے ہیں''۔

(سو عظیم آدمی از مائیکل ہارٹ۔ مترجم عاصم بٹ، ص ۲۵)

اگر آپ ﷺ، العیاذ باللہ، بقول متعصب غیر مسلمین ظالم ہوتے تو آپ ﷺ کی حیات و تعلیمات کے اثرات تو کب کے مٹ چکے ہوتے۔ مگر رحمت، آسانی و محبت پر مبنی آپ ﷺ کی تعلیمات کے اثرات تو اتنے ہیں کہ ایک ہندو شاعر جگن ناتھ آزاد آپ ﷺ کو اس طرح سلام عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہوگیا:

سلام اس ذات اقدس پر، سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بے کسوں کا آسرا مشفق غریبوں کا
مددگار و معاون بے بسوں کا، زیرہ ستوں کا
ضعیفوں کا سہارا اور محسن حق پرستوں کا
بڑے چھوٹوں میں جس نے اک اخوت کی بنیاد ڈالی
زمانے سے تمیزِ بندہ و آقا مٹا ڈالی
سلام اس پر جو آیا رحمۃ للعالمین بن کر
پیام دوست لے کر صَادِقُ الْوَعْد وَ اَمِیْں بن کر

(سیرت امام الانبیاء علیہ السلام، ایضاً ص ۳۷۷ تا ۳۷۸)

مائیکل ہارٹ کردار مصطفیٰ ﷺ کے اثرات کی وجوہات بیان کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ

''اس کی وجہ میرا اپنا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام کی تشکیل میں ان (یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کا ذاتی اثر کہیں زیادہ نمایاں ہے، بہ نسبت عیسائیت کی ہئیت سازی میں (حضرت) عیسیٰ مسیح (علی نبینا وعلیہ السلام) کے کردار کے''۔ (سو عظیم آدمی ایضا! ص ۱۰)

حضور اقدس ﷺ کی ذات مبارکہ ظلم سے پاک تھی۔ آپ ﷺ سراپا رحمت اور ذریعہ رحمت تھے اور ہیں۔ اسی لئے آپ ﷺ کی تعلیمات کے اثرات آج 1400 سال گزرنے کے باوجود ہر شعبہ و طبقہ زندگی پر محسوس کئے جاسکتے ہیں۔

۳۔ ولیم منٹگمری واٹ

ولیم منٹگمری واٹ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کو برداشت اور تحمل کے پیرائے میں دیکھتے ہوئے لکھتا ہے کہ

''آپ (ﷺ) کا اپنے عقائد کی خاطر ظلم و ستم اور اذیت کو برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا، آپ ﷺ کو اپنا رہنما تسلیم کرنے والوں اور آپ ﷺ پر ایمان رکھنے والوں کا بلند اخلاقی کردار اور انجام کار آپ ﷺ کی کامیابی کی عظمت کی دلیل ہیں۔ (حضرت) محمد (ﷺ) کو دغا باز (نبوت کا جھوٹا دعویدار) فرض کرلینا مسائل کو بڑھاتا ہے، حل نہیں کرتا۔ تاریخ میں عظیم شخصیات

میں سے کوئی بھی اتنی غلط انداز میں بیان نہیں کی گئی جتنا غلط انداز میں (حضرت) محمد (ﷺ) کو بیان کیا گیا ہے‘‘۔

(Muhammad at Mecca by W.M.Watt)

۴۔ جیمز میکنر (James Mechener)

جیمز میکنر اپنی کتاب The Islam. Misunderstood religion میں رقمطراز ہیں:

’’آزادیٔ ضمیر جس کی آپ نے تبلیغ کی، کے دفاع کے لئے لڑنے پر مجبور ہوکر آپ ایک بلند پایہ فوجی سپہ سالار بن گئے۔ اگرچہ آپ (ﷺ) بار بار اس حال میں جنگ آزما ہوئے کہ آپ کے مدمقابل کو تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے ایک کے مقابلے میں پانچ کی برتری حاصل تھی (لیکن پھر بھی) آپ کو بعض قابل ذکر اور بے مثال فتوحات نصیب ہوئیں‘‘۔

۵۔ سٹینلے لین پول (Stanley Lane Poole)

اپنی تصنیف The speeches and Table talk of the Prophet Muhammad میں لکھتا ہے:

’’(حضرت) محمد (ﷺ) کو اپنے دشمنوں پر عظیم ترین نصرت اور ظفریابی کا دن آپ کے لئے اپنے آپ پر سب سے زیادہ عظیم الشان فتح حاصل کرنے کا دن تھا۔ آپ نے قریش کے سالہا سال کے تمام مصائب و آلام اور ظالمانہ و تضحیک آمیز سلوک کو معاف کردیا جس کا انہیں نشانہ بنایا گیا تھا۔ آپ نے مکہ کی تمام آبادی کے لئے عام معافی کا اعلان کردیا۔ جب آپ اپنے بدترین دشمنوں کے شہر میں بطور فاتح داخل ہوئے تو (حضرت) محمد (ﷺ) کی فوج خاموشی اور امن و آشتی کے ساتھ وارد شہر ہوئی۔ کوئی مکان نہ لوٹا گیا۔ کسی عورت کی بے حرمتی نہ کی گئی۔

(حضرت) محمد (ﷺ) اس انداز سے اپنے آبائی شہر میں دوبارہ داخل ہوئے کہ فتح کی تمام داستانوں میں سے اس سے زیادہ فاتحانہ شان سے داخلے کی مثال اور کہیں ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی‘‘۔

لالہ لال چند فلک نے آپ ﷺ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے:

باہمی نفرت و کینہ تھا وطیرہ جن کا
انس و الفت کا سبق ان کو پڑھایا تو نے
خوابِ غفلت میں پڑے سوتے تھے مکی مدنی
لبِ اعجاز سے قُم کہہ کے اٹھایا تو نے
ریت کے ذروں کو بارود کی طاقت بخشی
خاکِ ناچیز کو اکسیر بنایا تو نے
کردیا ایک شہنشاہ و گدا کا رتبہ
اونچ اور نیچ کا سب فرق مٹایا تو نے
دخترِ حارثِ غمگیں کو رہائی بخشی
قید غم سے غلاموں کو چھڑایا تو نے

(سیرۃ امام الانبیاء علیہ السلام، ایضاً، ص۳۸۲)

۶۔ آرتھر گل مین (Arthur Gilman)

اپنی کتاب ’’The Saracens‘‘ میں رقمطراز ہے:

موازنہ کرنے سے صلیبی جنگ بازوں کی وہ مثال سامنے آتی ہے جس میں انہوں نے 1099ء میں 70,000 مسلمانوں، مردوں، عورتوں اور بے یارومددگار بچوں کو یروشلم پر قبضہ کرنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ یا صلیب کے زیر سایہ لڑتی ہوئی انگریز فوج کی مثال جس نے 1874ء کے خدائی انعام کے سال میں ایک افریقی دارالحکومت کو گولڈ کوسٹ کے معرکے میں نذر آتش کردیا۔ (اس کے مقابلے میں حضرت) محمد (ﷺ) کی فتح، حق گوئی سے کام لیا جائے تو مذہب کی فتح تھی، سیاست کی فتح نہ تھی۔ انہوں نے اپنی ذات کے لئے ذاتی تفاخر کے ہر اظہار کو رد کردیا اور شاہی جاہ و جلال کو پائے استحقار سے ٹھکرادیا اور جب قریش کے متکبر اور مغرور سردار

آپ کے سامنے حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا:

’’تم مجھ سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟‘‘ تو وہ کہنے لگے: رحمدلی کی، اے فیاض و مہربان بھائی‘‘ آپ (ﷺ) اس پر بے ساختہ پکار اٹھے۔ ایسا ہی ہوگا۔ جاؤ تم سب آزاد ہو‘‘۔

۷۔ نپولین بونا پارٹ

نامور فاتح یورپ نپولین بونا پارٹ کا قول ہے:

’’(حضرت) محمد (ﷺ) درحقیقت بنی نوع انسان کے ایک عظیم رہنما تھے۔ انہوں نے عربوں میں اتحاد و یکجہتی کا پرچار کیا جو اس وقت باہمی جھگڑوں اور مفسدہ پردازیوں کے باعث انتشار اور نااتفاقی کا شکار تھے جسکا نتیجہ بعض اوقات خونی جنگوں کی صورت میں نکلتا تھا۔ آپ نے ان کو ذلت و رسوائی کی پستی سے باہر نکالا اور انہیں انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کا قرینہ سکھایا۔۔۔ میں اس عظیم انسان کو سلام کرتا ہوں۔ میں ان کی دل و دماغ کی صفات حمیدہ کو سلام کرتا ہوں‘‘۔

(سیرۃ الرسول ﷺ، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، ص۵۹۰)

۸۔ پروفیسر لارا ویکشیا ویگلیری

Prof. Laura Veccia Vaglleri نے اپنی کتاب تعبیر اسلام ’’Interpretation of Islam‘‘ میں لکھا ہے:

’’آپ (ﷺ) نے جنگ جیسی خوفناک حیات انسانی کی ضرورت (مجبوری) کو کم ظالمانہ بنادیا۔ دیگر سیرت نگاروں کے مطابق آپ (ﷺ) کا یہ عملاً معمول تھا کہ آپ اپنی سپاہ کو حکم صادر فرماتے تھے کہ ان بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کی جان بخشی کردیا کرو جو مزاحمت نہ کریں۔ ان کے مکانوں کو مسمار نہ کیا کرو اور ذرائع رزق کو تباہ نہ کیا کرو، پھلدار درختوں کو برباد نہ کیا کرو، کھجور کے درختوں کو بھی (کاٹنے کے لئے) ہاتھ نہ لگایا کرو‘‘۔

راجندر بہادر موج نے دل لگتی بات کہی ہے:

تعزیت: گذشتہ ماہ محترم محمد سہیل گوندل (منہاج پروڈکشنز) کے تایا جان اور ماموں جان، صوبیدار محترم حاجی روشن دین (سیالکوٹ)، محترم اللہ دتہ عباسی (بیروٹ، ایبٹ آباد) کے بہنوئی محترم حوالدار گل نواز عباسی، محترم عبدالغفور چشتی (ناظم TMQ سلانوالی) کے چچا جان محترم محمد وارث، محترم سید ذوالفقار علی شیرازی (مریدکے) کے والد محترم، محترم ملک بشارت (مریدکے) کا بھانجا، محترم مولانا اللہ رکھا (مریدکے) کی بھابھی، محترم اظہر علی مصطفوی (مریدکے) کے بہنوئی، محترم شبیر حسین بھلر (مریدکے) کا بھتیجا، محترم سید جعفر حسین (مریدکے) کی ساس، محترم حاجی محمد رفیق قادری (حسن ابدال، اٹک) کی والدہ محترمہ، محترم حاجی عبدالحمید خان (حسن ابدال، اٹک) کے چچا، محترم اطہر علی مصطفوی (حسن ابدال، اٹک) کے ماموں، محترم حافظ محمد بلال (بنیاں گجرات) کے چچا محترم محمد اکرم بٹ، محترم محمد لطیف کے برادر نسبتی محترم اورنگ زیب (لنگڑیال، گجرات)، محترمہ سحرش بی بی (لنگڑیال، گجرات) کی والدہ، محترم الحاج محمد شبیر اعوان (فرانس) کی والدہ محترمہ (گجرات)، محترم محمد لطیف (کوٹلہ، گجرات) کا جواں سالہ بیٹا، محترم حاجی ثناء اللہ اور محترم حاجی حبیب اللہ (فرانس) کی والدہ محترمہ، محترم یاسر عرفات (کراچی)، محترم محمد یوسف (اسلام آباد) کی بھابھی، محترم امتیاز چودھری (سابق صدر مرکزی MYL) محترم اشتیاق چودھری (سابق صدر مرکزی MSM) اور محترم آفتاب چودھری (TMQ صدر شکر گڑھ) کے والد محترم چودھری اللہ رکھا قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی بخشش و مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

ہر مذہب و ملت پر یکساں ہے کرم جاری
ہے سب کے لئے رحمت، اسلام محمد ﷺ کا
تصویرِ حقیقت ہے، اک درس محبت کا
ہر بات محمد کی، ہر کام محمد کا (ﷺ)
اوہام کی ظلمت میں اک شمع ہدایت ہے
بھٹکی ہوئی دنیا کو پیغام محمد کا (ﷺ)
خالق نے سنوارا ہے ہر کام محمد کا
گرتوں کا سہارا ہے اک نام محمد کا (ﷺ)

(سیرۃ امام الانبیاء علیہ السلام، ایضاً ص ۳۶۷)

۹۔ اے کاسپر پی بی (A Casper P.B)

اپنی کتاب ''مکالماتی تفہیم کے لئے بنیادی مذہبی موضوعات'' Religious fundamental themes for A Dialogistic understanding میں حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے مذہب کی تعریف اس طرح کرتا ہے:

''ایک عالمی اور مکمل مذہب کے طور پر اسلام اس زندگی اور اخروی زندگی میں انسان کو خوشی اور مسرت سے یقینی طور پر ہمکنار دیکھنا چاہتا ہے''۔

۱۰۔ وی سی بیڈلے (V.C Badley)

اپنی مشہور کتاب The Messenger میں لکھتا ہے:

''Muhammad has no blood lust''

''(حضرت) محمد (ﷺ) کو بے جا خون بہانے کی بالکل ہوس نہ تھی''۔ آگے لکھتا ہے۔ ''درحقیقت کافر قیدیوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار حاصل تھا کہ یا تو وہ قیدی فدیہ دے کر اپنے گھر روانہ ہوجائے یا پھر اسلام قبول کرلے۔ قرآن فرماتا ہے کہ دین اسلام میں کوئی جبر نہیں۔ آپ نے کبھی اپنے شکست خوردہ دشمن سے انتقام نہیں لیا''۔

۱۱۔ ریمنڈ لرونگ (Raymand Leronge)

اپنی کتاب Viede Muhamet میں جنگ کے سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتا ہے:

''(آپ ﷺ کی تعلیم تھی کہ) مقدس جنگ کا مقصد تباہی نہیں ہونا چاہئے بلکہ ضروری ہے کہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے انصاف اور جذبہ رحم پر مبنی ہو۔ جنگ کا معاملہ غارتگری اور انتقام اور ظلم سے بالکل پاک انسانی ہمدردی پر مبنی ہونا چاہئے''۔

۱۲۔ ولیم میور

ولیم میور، حضور اقدس ﷺ کے بارے میں تعصب و عناد سے بھرا شخص ہے مگر ایک موقع پر اس نے بھی اپنی کتاب The Life of Muhammad میں آپ ﷺ کی رحمدلی کو اس طرح بیان کیا ہے:

''۔۔۔(حضرت) محمد (ﷺ کی تعلیم سے) ایمان کے دائرہ میں برادرانہ محبت، یتیموں کی پرورش، غلاموں سے احسان، حرمت خمر وغیرہ، سب کے سب جوہر نمودار ہوگئے''۔

عرش ملسیانی ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتا ہے:

طوفان زندگی میں سہارا تمہی تو ہو
دریائے معرفت کا کنارا تمہی تو ہو
ہاں ہاں تمہی تو ہو، دل عالم کی دل نواز
دلدار و دل نشیں و دل آرا تمہی تو ہو

(سیرت امام الانبیاء، ص ۳۸۱)

۱۳۔ باسورتھ سمتھ

باسورتھ سمتھ نے اپنی کتاب ''محمڈ اینڈ محمڈنزم'' میں حضور اقدس، آقا و مولا، محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ، سرور انبیاء، حبیب کبریا، شفیع الوریٰ، روح ارض و سماء، علیہ السلام کی یتیموں اور غلاموں پر نوازشات کو اس طرح بیان کیا ہے:

''رسول (کریم ﷺ) کی خصوصی عنایات کا

مرکز غلاموں کے ساتھ یتیم بھی رہتے ہیں۔ آپ (ﷺ) نے عمر بھر کسی کو اپنے ہاتھ مقدس سے نہ مارا۔ اگر کوئی مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ نہ تو اپنا ہاتھ الگ کرنے میں پہل کرتے اور نہ ہی از خود اس سے جدا ہوتے۔ گفتگو نہایت درجہ، نرم اور شیریں فرماتے''۔

۱۴۔ پروفیسر موسیو سیڈیو

فرانسیسی دانشور پروفیسر موسیو سیڈیو نے اپنی کتاب ''خلاصۂ تاریخ عرب'' میں لکھا ہے کہ

''آپ (ﷺ) انصاف کے معاملے میں اپنے اور بیگانے سب سے ایک جیسا سلوک کرتے تھے۔ غرباء اور مساکین سے محبت کرتے اور ان میں رہ کر خوش ہوتے۔ کسی بھی نادار کو اس کی تنگ دستی کی وجہ سے نہ حقیر جانتے اور نہ ہی کسی بادشاہ کو اس کی بادشاہی کی وجہ سے ترجیح دیتے۔ کسی ملاقات کرنے والے سے از خود جدا نہ ہوتے یہاں تک کہ وہ خود ہی چلا جاتا۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے کمال درجہ شفقت و محبت فرماتے۔ دشمن ہو یا دوست سب سے کشادہ پیشانی سے ملا کرتے''۔

ستیش چند طالب دہلوی نے احسان مندی کا اظہار اس طرح کیا ہے:

کیا درسِ مساوات دیا نوعِ بشر کو
اترے گا نہ سر سے کبھی احسانِ محمد ﷺ
کیوں ایسی اسیری پہ نہ صدقے ہو رہائی
آزادِ دو عالم ہیں غلامانِ محمد ﷺ

۱۵۔ یوحنا پادری دمشقی

دراصل متعصب مستشرقین نے حضور اقدس ﷺ کی مخالفت یوحنا پادری دمشقی (696۔ 749ء) کی اندھا دھند نقالی میں کی ہے۔ اس پادری نے اسلام اور حضور اقدس ﷺ کو بدنام کرنے کے لئے درج ذیل دو کتابیں لکھی تھیں:

۱۔ محاورة مع المسلم.
۲۔ ارشادات النصاریٰ فی جدل المسلمین.

پھر مخالف مستشرقین نے ان دو کتابوں سے استفادہ کرکے اسلام اور ہمارے آقا پیغمبر اسلام رحمۃ للعالمین ﷺ کی خوبیوں اور رحمت کا انکار کیا اور ایک مخالفانہ تحریک چلانے پر پورے وسائل خرچ کردیئے۔

(اضواء علی الاستشراق از ڈاکٹر احمد دیاب۔ ص۱۵)

ولیم منٹگمری واٹ نے ان مذکورہ متعصب مستشرقین کے فتنہ کو اپنی کتاب "Muhammad Prophet and statesman" (صفحہ نمبر 231، مطبوعہ آکسفورڈ 1961ء) میں اس طرح بیان کیا ہے:

"Of all the world's great men, none has been so much maligned as Muhammad... At a point Muhammad was transformed into Mahound, the prince of darkness."

''دنیا کے عظیم آدمیوں میں سے کسی کے ساتھ اتنی زیادہ دشمنی نہیں کی گئی جتنی کہ (حضرت) محمد (ﷺ) کے ساتھ کی گئی ہے۔۔۔ حتی کہ اس مرحلے پر (اسم پاک) محمد کو میہاؤنڈ میں تبدیل کردیا گیا جس کے معنی ہیں تاریکی کا شہزادہ''۔

حالانکہ تاریکی میں ڈوبی ہوئی مغربی دنیا تھی نہ کہ اسلامی دنیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

(ضیاء النبی ﷺ از پیر کرم شاہ الازہریؒ)

(سیرت الرسول ﷺ، از شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

اس لئے کہ جن غیر مسلموں نے تعصب و عناد کی عینک اتار کر پاک نبی ﷺ کی رحیمانہ عادات و خصائل کو دیکھا ہے وہ پکار اٹھے ہیں کہ پاک محمد ﷺ جیسا رحیم و کریم تو کوئی بھی نہیں ہے۔

چنانچہ سرداری لال نشتر میرٹھی نے کہا ہے:

طلسم عدا و شکو حضرت نے توڑا
خلائق میں رشتہ محبت کا جوڑا
یتیموں کے محسن، نگہبان تھے وہ
غریبوں پہ سو دل سے قربان تھے وہ
نہ کی رنج و غم کی شکایت کسی سے

نہ رکھی جہاں میں عداوت کسی سے
نہ غصہ، نہ خفگی، نہ نخوت کسی سے
نہ کینہ، نہ رنجش، نہ نفرت کسی سے
زمانے میں کس طرح رہتی غلامی؟
کہ تھے آپ آزادیوں کے پیامی
ہیں ممنونِ احسان ذات گرامی
عراقی و ترکی، حجازی و شامی
فقط ایک نشتر ہی کیا مدح خواں ہے
ثنا خواں محمد کا سارا جہاں ہے
(ﷺ)

(سیرت امام الانبیاء، ایضاً ص ۴۱۶)

۱۶۔ ارون شوری کی علمی بددیانتی اور اسکا جواب

ارون شوری نے اپنی کتاب فتاویٰ دنیا کے صفحہ نمبر 572 پر حضور اقدس ﷺ پر اترنے والی کتاب کے ذریعے قرآن مجید اور حضور اقدس ﷺ کو (نعوذ باللہ) خون بہانے والا ثابت کرنے کے لئے عجب قلا بازیاں کھائی ہیں۔ اس نے سورہ توبہ کی آیت نمبر 5 کا ذکر تو کیا مگر اس کے بعد والی آیت نمبر 6 کو نہیں لکھا۔

سورہ توبہ کی آیت نمبر 5 کے ساتھ آیت نمبر 6 کا پڑھنا بھی ضروری تھا بلکہ بہتر تو یہ تھا کہ اس سورہ کی آیت نمبر 1 تا 6 سب ہی کو پڑھا جاتا تاکہ اصل اور صحیح مفہوم واضح ہوجائے۔ اس مذکورہ آیت نمبر 5 اور پھر آیت نمبر 6 ملاحظہ فرمائیے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

’’پھر جب (لڑائی کی) حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ اور انہیں گھیر لو اور ان کے لئے ہر گھات میں بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ (تعالیٰ) بخشنے والا نہایت مہربان ہے‘‘۔ (سورہ توبہ، ۹:۵)

اگر اس آیت سے پہلے والی آیات نہ بھی پڑھی جائیں بلکہ صرف یہی ایک آیت ہی مکمل پڑھ لی جائے اور نیک نیتی سے پڑھی جائے تو بھی قرآن مجید کی اور پاک محمد ﷺ پر ایسا الزام لگانے کا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ آیت مبارکہ تو یہ بتا رہی ہے کہ اگر مشرکین توبہ کرلیں اور اپنی توبہ کو ثابت کردیں تو ان کا راستہ چھوڑ دینے کا حکم ہے یعنی ان کی جان بخشی کرنے کا حکم ہے۔ تو کیا جان بخشی خونریزی ہے یا رحمت ہے؟ مگر مخالف غیر مسلموں کی طرف سے ظلم اور ناانصافی اس طرح ہوتی ہے کہ وہ اس پوری آیت کا حوالہ نہیں دیتے بلکہ آگے پیچھے کے الفاظ مبارکہ کاٹ کر درمیان والی اتنی عبارت کا حوالہ دیتے ہیں:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ..

حالانکہ اس آیت کو مکمل پڑھنے سے مفہوم واضح ہوجاتا ہے اور جب آیت نمبر 6 بھی پڑھ لی جائے تو حق بات مزید واضح ہوجاتی ہے اور اگر پہلی 4 آیتیں بھی پڑھ لی جائیں تو مخالفین کا الزام خود بخود اپنے منطقی انجام تک پہنچ جاتا ہے۔ تو ذرا ملاحظہ تو ہو صرف آیت نمبر 6 از سورہ توبہ۔ اس میں قرآن مجید نے امن پسندی کی حد کردی ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ.

’’اور اگر مشرکوں میں سے کوئی بھی آپ سے پناہ کا خواستگار ہو تو اسے پناہ دے دیں تا آنکہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر آپ اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دیں، یہ اس لئے کہ وہ لوگ (حق کا) علم نہیں رکھتے‘‘۔ (توبہ، ۹:۶)

ممکن ہے آج کوئی غیر مسلم امن پسند جرنیل جنگ کے دوران تو دشمن کو جان بخشی کی بھیک مانگنے پر یہ بھیک دے دے مگر ایسا کون سا فوجی جرنیل ہوگا جو اپنے فوجیوں سے یہ کہے کہ دوران جنگ امن طلب کرنے والے دشمن فوجی کو نہ صرف چھوڑ دو بلکہ اسے محفوظ مقام پر بھی پہنچادو۔

اسی رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کے جابجا اظہار کی وجہ سے جگن ناتھ آزاد نے بدیں الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

خلیق آئے کریم آئے، رؤف آئے رحیم آئے
کہا قرآن نے جن کو صاحبِ خلقِ عظیم آئے
بشر بن کر جمالِ اولین و آخریں آئے
متاع صدق لے کر صادق الوعدالامیں آئے
وہ آئے جن کو کہیے فخر آدم، ہادی اکبر
وہ آئے جن کو لکھیے زندگی کا محسن اعظم
مبارک ہو زمانے کو کہ ختم المرسلین آئے
سحابِ رحم بن کر رحمۃ للعالمین آئے

(سیرت امام الانبیاء علیہ السلام، ایضاً، ص ۳۷۹)

حضور ﷺ کی خوبیوں کا اعتراف

کئی انصاف پسند اور حقیقت شناس مستشرقین میرے پاک محمد ﷺ کی رحمت والی خوبیوں سے متاثر ہوکر ایمان کی دولت سے بہرہ یاب ہوچکے ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔عبداللہ عبداللہ۔ ۲۔مسٹر ڈبلیو ایچ کیو لیم۔ ۳۔رسل ویب۔ ۴۔ڈاکٹر مارٹن لنگز۔ ۵۔ڈاکٹر ارتھرکین۔ ۶۔جان سنٹ۔ ۷۔علاء الدین شلمی۔ ۸۔الفونس اتیین۔ ۹۔لارڈ ھیڈ لے الفاروق۔ ۱۰۔علامہ محمد اسد۔ ۱۱۔ڈاکٹر عبداللہ علاء الدین۔ ۱۲۔ڈاکٹر عمر رولف ایرنفلس۔ ۱۳۔ڈاکٹر غرینیہ۔ ۱۴۔ڈاکٹر خالد شیلڈرک۔ ۱۵۔محترمہ مریم جمیلہ وغیرہا۔

مزید کئی مستشرقین جو حضور اقدس ﷺ کی رحمت کے قائل ہیں:

۱۔رچرڈ سائمن۔ ۲۔پیئر بائیل۔ ۳۔سائمن اوکلے۔ ۴۔ہادریان ریلانٹ۔ ۵۔یوہان جے ریسکے۔ ۶۔مائیکل ایچ ہارٹ۔ ۷۔ڈاکٹر مارس بیوکائے۔ ۸۔طامس کارلائل۔ ۹۔لامارٹن۔ ۱۰۔پروفیسر لیک۔ ۱۱۔پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ وغیرہ۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں ضیاء النبی ﷺ ج ۶ ص ۲۱۲ تا ۲۳۲)

گرنبیند بروز شپرہ چشم، چشمہ آفتاب راچہ گناہ؟

حاصل کلام

یہ بات اظہر من الشّمس ہوجاتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو جو جنگیں مجبور ہوکر دفاعی طور پر لڑنا پڑیں وہ بھی آپ ﷺ کی رحمت کا مظہر ہیں۔ جس طرح مریض کو کڑوی کونین جیسی گولی کھلانا اس پر ظلم نہیں ہوتا بلکہ اس کو شفایاب کرنے کے لئے اس پر ترس اور رحم ہوتا ہے، مجبوراً جو کارروائی کرنا پڑی، جنگیں لڑنا پڑیں وہ اسی طرح ہے جس طرح کسی زہریلے پھوڑے کا آپریشن کرنا ضروری ہوجاتا ہے اور سارے جسم کو زہر سے بچالیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے آقا کا دفاعی عمل سراسر رحم ہی رحم تھا۔

قائد ڈے نمبر فروری 2012ء

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی 61 ویں سالگرہ کے موقع پر حسب روایت امسال بھی ماہنامہ منہاج القرآن قائد ڈے نمبر شائع کرنے کا اعزاز حاصل کررہا ہے۔ یہ شمارہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی قومی و بین الاقوامی سطح پر امن ومحبت کے فروغ کیلئے کی جانے والی ہمہ جہتی خدمات پر مشتمل ہوگا۔

اس سلسلے میں آپ بھی ماہنامہ منہاج القرآن کو اپنی خصوصی معیاری تحریریں بھجواسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں قائد ڈے کے موقع پر آپ کی طرف سے **مبارکبادی پیغامات** کی صورت میں اشتہارات کی بکنگ بھی جاری ہے۔

آپ اپنی تحریر، مضامین اور اشتہارات سے متعلقہ اشاعتی مواد مورخہ 10 جنوری 2012ء تک ماہنامہ منہاج القرآن 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور ارسال فرمائیں۔ فون: Ext-128 042-111-140-140

معاشرہ و افراد پر دور رس اثرات کی حامل

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی ہمہ جہتی خدمات

منہاج القرآن انٹرنیشنل شارجہ کے رفقاء محترم محمد شفیق قادری، محترم خالد محمود صابری، محترم سعادت حسین اور محترم فہیم احمد کی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ کی ہمہ جہتی خدمات اور ان کے معاشرہ و افراد پر مترتب ہونے والے دور رس اثرات و نتائج کے اعتراف میں ایک خوبصورت اور منفرد تحریر۔۔۔ اس تحریر کو شیخ الاسلام کی فکر اور تعلیمات سے مستفید و مستنیر ہونے والے ہر شخص کے جذبات کا اظہار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

قبلہ شیخ الاسلام! ہم کیا تھے؟ گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹکتے راہی، نہ اپنی خبر نہ منزل کا سراغ، عمل سے عاری، علم چند نہایت سطحی کتابوں تک محدود، زبانوں پر محض کرامات اور قصے کہانیاں، چند بے بنیاد فتوے اور اس جمع پونجی پر بھی تذبذب کا شکار۔

شاطر حریف کے دلائل کے جھٹکوں سے ہمارے ایمان کی یہ بوسیدہ عمارت زمین بوس ہو چکی تھی، ذہنوں میں تذبذب، دلوں میں شکوک و شبہات اور روح و جسم کفروشرک اور بدعت کے فتوؤں سے لرزاں تھے۔

دامانِ مصطفیٰ ﷺ سے گریز کی پالیسی فروغ پا رہی تھی، اُمت نعلینِ مصطفیٰ ﷺ کے سائے سے محروم ہو رہی تھی، ذات مصطفیٰ ﷺ سے رشتۂ محبت کو غیر ضروری بتایا جا رہا تھا بلکہ عقیدہ رسالت ﷺ کی نسبت ایک ایسے غیر منطقی فکر و فلسفہ کو فروغ دیا جا رہا تھا جس کو نہ دل تسلیم کرتا تھا نہ عقل تسلیم کرتی تھی کہ رب کائنات سے بلاواسطہ تعلق جوڑو، کسی واسطے وسیلے کی ضرورت نہیں ہے حالانکہ جس راہبر و راہنما محمد ﷺ کے توسل سے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی حاصل ہوئی اور پھر اس کے ایک ہونے کا شعور حاصل ہوا وہ ذات کریمہ آپ ﷺ کی ہی ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے بتانے سے قبل سینکڑوں بتوں کی پوجا کی جاتی تھی، اب آپ ﷺ سے اتنی بے وفائی، آپ ﷺ کے اس احسان کا یہ بدلہ، اس لاریب حقیقت پر یوں اعتراض کہ نام سننا بھی گوارہ نہیں، بیشک ظلم اور جہالت کا یہ امتزاج خوارج کے خواص میں سے ہے۔

اولیاء سے نسبت اور بیعت کو بدعت گردانا جا رہا تھا، شرک و بدعات کے یہ امام بڑے جنونی تھے۔ انسانوں کی وضع قطع سے لے کر لباس، خوراک، تعلقات اور دیگر بے شمار امور کے اندر شرک اور بدعت کو ثابت کرنا انکے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اور یہی نصب العین، اور شاید اسی جہالت کا اثر تھا کہ بغضِ اولیاء نہ صرف ان کی باتوں سے بلکہ عمل سے بھی عیاں تھا۔

ائمہ کی تقلید تنقید کا نشانہ بن چکی تھی، اور یہ سب کچھ قرآن کی رو سے ثابت کیا جا رہا تھا، غیر مقلد ہونے کا ایک احمقانہ درس الاپا جا رہا تھا، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ قانونِ تقلید ہی انسانی معاشرے کا دستور اول ہے کہ انسان ازل سے تقلید ہی کرتا چلا آ رہا ہے کبھی حق کبھی ناحق۔

الغرض سینکڑوں سالوں پہ محیط عقیدۂ حق رکھنے والے اپنی لاعلمی، بے عملی اور غیر معتبر قیادت کی وجہ سے دفاع کی آخری جنگ لڑ رہے تھے جس میں ان کی شکست حتمی نظر آ رہی تھی۔

لیکن کیونکہ اللہ رب العزت نے اس مصطفوی ﷺ چراغ کو روشن رکھنے کا وعدہ کر رکھا ہے، اس لیے اس نے اِس ظلمت شب میں آپ کو روشن مصطفوی ستارہ بنا کر اُمتِ محمدیہ ﷺ کی خدمت پر مامور کیا اور آہستہ آہستہ اس ظلمتِ شب میں اِس روشنی کی کرنیں اجالا کرنے لگیں، اندھیرے چھٹنے لگے، ظلمت دور ہوئی اور نور پھیلنے لگا۔

مصطفوی فیض سے معمور آپ کے سینہ سے نغموں کا چشمہ رواں ہوا، ایک درد بھری آواز سنائی دینے لگی، توحید و شرک پہ آپ کے پُر مغز و مدلل دروس شروع ہوئے۔

آپ فرما رہے تھے کہ لوگو! جو آیات پڑھ پڑھ کر بدعت اور کفر و شرک کے فتوے لگائے جا رہے ہیں، ان آیات کا تو یہ مفہوم ہی نہیں جو یہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ قرآنی آیاتِ مقدسہ کو دانستہ یا نادانستہ ایسے گڈمڈ کرنے اور کلامِ الٰہی کو اپنی سوچ کے مطابق ڈھال کر اکابرینِ اُمت اور عوام کو گمراہ قرار دینا علم و شعور کے ساتھ ظلم کی انتہا ہے۔

نزولِ آیات کے سیاق و سباق اور اسباب و واقعات کی روشنی میں قرآن پاک کی اِسطرح تفسیر و تعبیر تو ہمارے خواب و خیال میں بھی نہ تھی، ہمارا مطالعہ تو رٹا لگانے سے زیادہ کچھ بھی نہ تھا۔

قبلہ! جب آپ نے ہمیں قرآن کریم کے یہ دروس اِرشاد فرمائے تو آپ ہمارے لیے ایسا چشمۂ صافی ثابت ہوئے جو کہ کسی جاں بہ لب پیاسے کو صحرا میں ملتا ہے۔ آپ کے دلائل و براہین پر مبنی خطابات ہمارے متزلزل ایمان کو تقویت دینے لگے، جیسے نحیف و لاغر مریض کو کوئی دوا راس آ جائے تو وہ تندرست ہونے لگتا ہے، جیسے کسی ملزم کو قاضی یہ بتا دے کہ تم بے گناہ ہو اور آزاد کر دے۔

آپ نے توحید و شرک کے باب میں ناعاقبت اندیش علماء کی ڈالی ہوئی اُلجھنیں اور گنجلکیں کھول دیں اور ہمیں یہ جان کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ جس ذات کے معاملات میں شرکت غیر کا خدشہ ہر وقت ان ملاؤں کو لاحق رہتا تھا وہ تو بذات خود اپنے بہت سے معاملات میں اپنے بندوں کو بحیثیت بندہ خود شریک کیے ہوئے ہے۔

قبلہ! جب آپ کی زبان سے بیان کردہ یہ حدیث مبارکہ فضا میں گونجتی ہے تو اس سے عقیدہ و ایمان کو پختگی ملتی ہے کہ آقائے دوجہاں ﷺ شہداء احد کے مزارات پر تشریف لے گئے اور فرمایا: کہ مجھے تمہارے تئیں شرک کی طرف پلٹ جانے کا خطرہ نہیں ہے لیکن دنیا کے فتنے میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہے، اس سے نہ صرف شرک کی بیخ کنی ثابت ہے، بلکہ بقول آپ کے شرک کی تو جڑ کٹ گئی۔

اب یہ بات بڑی عجیب ہے کہ جس فتنے کے نہ پلٹنے پر اللہ کے نبی ﷺ مطمئن ہوں اُسی فتنے کو اُمت پر مسلط جائے بلکہ جگہ جگہ ثابت کیا جائے۔ نعوذ باللہ کیا یہ جاہل اپنے آپ کو نبی محترم ﷺ سے زیادہ فہیم سمجھتے ہیں، اِس سے بڑی گمراہی اور کیا ہوسکتی ہے۔

بہرحال آپ نے ہمارے قلوب کو ہر شک و شُبہ سے پاک کیا اور توحید کے نور سے مالا مال کر کے سیرت مصطفوی ﷺ کے اوراق پلٹنا شروع کئے تو اُن کی خُوشبو سے لوگ ہجوم در ہجوم منہاج القران میں داخل ہونے لگے، تو ہمیں علامہؒ کا یہ شعر یاد آ گیا کہ

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیرِمُغاں ہے مردِ خلیق

قبلہ! آپ کی صدائیں گُونجنا شروع ہوئیں، اِدھر آپ کی مبارک زبان کلام پاک بیان کرتی، اُدھر عظمت رسول ﷺ کا ایک پہلو اجاگر ہوتا۔ ہم مسرّت کے آنسو آنکھوں میں دبائے کبھی اللہ کا شکر ادا کرتے تو کبھی ''مصطفٰی ﷺ کی ہے کلی، طاہر القادری'' کا نعرہ بلند کرتے۔

قبلہ! ہم جب اس رات اُٹھے تو شانِ مصطفٰی ﷺ بزُبانِ غلامِ مصطفٰی ﷺ ہمارے قلوب میں نہ صرف اُتر چکی تھی بلکہ جاں گزیں ہو چکی تھی۔

قبلہ! پھر آپ نے عظیم الشان جلسے کیے، لوگ کشاں کشاں منہاج القرآن کی طرف بڑھنے لگے، جو گمراہ ہوگئے تھے وہ راہ راست پر آ گئے، بے سہاروں کو سہارا ملا، بے علموں کو علم ملا، بے عملوں کو عمل ملا، بے زبانوں کو زباں ملی اور ہمیں بھی بات کرنے کا سلیقہ ملا۔

قبلہ! ہمیں نہیں معلوم کہ یہ آپکا فیضان نظر تھا کہ مکتب منہاج القرآن کی کرامت تھی کہ ہم جیسے گنوار بھی ادب، امن، علم اور محبت جیسے عظیم تصورات کے علمبردار بن گئے۔

قبلہ! یہ آپ ہی تھے جنھوں نے ہمیں بتایا کہ قرآن کریم کی رو سے ادب و محبتِ رسول ﷺ کا درس کیا ہے۔ قبلہ! آپ نے ''ہم جیسا ہونے کا'' گمراہ کن فلسفہ یہ بتا کر، کہ قرآن تو آواز اور پکارنے میں برابری کی اجازت نہیں دیتا تو ذات پاک مصطفیٰ ﷺ میں برابری کا کیا سوال ہے۔

پھر خاص حکمت کے تحت ربِ کائنات کا نماز کے اندر قبلہ بدل دینا، امامِ کائنات کا اپنا رُخِ انور پھیر لینا، اس موقع پر رازدارانِ محبت کا بلا تاخیر یہ فیصلہ کرلینا کہ ان کا اپنا تعلق کسی قبلہ سے ہے ہی کیا۔۔۔ محبوب ﷺ نے بیت المقدس کی طرف رُخ کیا تھا تو وہ اُنکا قبلہ تھا، جب مصطفیٰ ﷺ نے مکھ دوسری طرف کر لیا تو انہوں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ رُخِ یار ﷺ کی طرف اپنے چہرے موڑ لو، اُس لمحے اُنکا قبلہ نہ بیت المقدس تھا، نہ خانہ کعبہ بلکہ چہرہ مصطفیٰ ﷺ تھا۔ کیوں کھڑے ہوتے صفوں میں داہنی طرف۔۔۔ کیسے جھپٹتے لُعابِ مبارک پر۔۔۔ کیسے وضو کے پانی کا ایک ایک قطرہ چہروں پر ملتے۔۔۔ حجام جب حضور ﷺ کے بال مبارک کاٹتا تو کیسے پروانے ان موہائے مبارکہ پر جھپٹتے اور انکو دستاروں میں رکھ کر جنگیں لڑتے۔۔۔ دست مبارک اور قدمین شریفین کے بوسے لیتے۔۔۔ جہاں صاحب ِجمال ﷺ لیٹتے وہاں صحابہؓ لوٹتے۔۔۔ اپنی انگلیوں کے اشارے سے ان ﷺ کی بات کرتے۔۔۔ لیکن فورا اپنی انگلیوں کے بارے یہ وضاحت کر دیتے کہ یہ اُن ﷺ کی انگلیوں جیسی نہیں ہیں، بلحاظِ عُمر اُن ﷺ سے بڑے ہوتے لیکن اس بڑے ہونے کا ذکر ایسے کرتے کہ بڑے تو وہ ﷺ ہی ہیں ہم تو بس پہلے پیدا ہوگئے تھے۔۔۔ ان پیار بھری باتوں کو سناتے ہم نے کئی بار آپ کو دیکھا کہ آپ کی محبت کا جام چھلک جاتا، جدائی اور فراق میں ہائے ہائے کی آوازیں نکلتیں اور آپ بے اختیار محبت اور درد بھری آواز میں اقبالؒ کا یہ شعر الاپتے:

اذان ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی
نماز تیرے نظارے کا اِک بہانہ بنی
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

قبلہ! پھر آپ نے سَلُونِی عَمَّا شِئتُم کا درس دیا، اور علمِ مصطفوی ﷺ کی عظمت یوں بیان کی کہ علمِ مصطفیٰ ﷺ پر اٹھنے والے ہر ناپاک اعتراض کو چکنا چُور کر دیا، اُن ﷺ کی نسبت ''یہ پتا نہیں وہ پتا نہیں'' کی تکرار کرنے والے کتنے جاہل ہیں کہ جو ہستی اس کائنات کے خالق کا پتہ بتا رہی ہے اب ان ﷺ سے کون سی ایسی غیب اور ظاہر چیز چھپی ہوئی ہے جو انہیں ﷺ پتا نہ ہو، سب سے بڑا راز تو وہ خود تھا، جب اس نے اپنے آپ کو ہی ان ﷺ پر عیاں کر دیا تو اب ''دیوار کے پیچھے کیا ہے'' کیا یہی بات اس خالقِ کائنات نے صیغۂ راز میں رکھنی تھی؟

قبلہ! کچھ عرصہ قبل آپ نے ایک دیرینہ گتھی بھی سلجھا دی، ہمیں ایک نوید صبح سنائی، اس سے گنہگاروں کو سہارا ملا، مُلّا لوگوں کی خلط ملط کی ہوئی بات کو دُرست کیا۔ وہ یہ کہ انسان کے دل میں جہاں حسد، بُغض، عناد اور کینہ جیسے قبیح جذبات پلتے ہیں وہاں اسکے اندر محبت جیسا عظیم جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے، اسی جذبے کی ایک خفیف سی کسک محبتِ رسول ﷺ کی شکل میں ہمارے اندر بھی تھی جو ہمارے مُردہ ایمان کو جلا بخشتی تھی۔

قبلہ شیخ الاسلام! کیونکہ آپ کو بھیجنے والے نے ''حکیم'' بنا کر بھیجا ہے تو حکیم ہے ہی وہ جو مریض کو دیکھے اور سمجھ جائے کہ اسکا مرض کیا ہے؟ آپ

نے ہم جیسے گناہگاروں کا مرض جان لیا۔

ہم نے تو کبھی آپ سے نہ پوچھا کہ عمل اور محبت کیا چیز ہے؟

یکایک آپ کے علم و حکمت کے خزانوں میں سے محبت کی شرائط اور علامات کے ترانے گُونجنے لگے۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے اس درس کو سنا، کیونکہ محبت کے حوالے سے عمل کی ناگزیریّت کا فتوی اور فلسفہ ہم سن چکے تھے، ہم نے یہ خیال کیا کہ کیونکہ اب شیخ الاسلام بات کرنے جارہے ہیں تو بالضرور محبت کے ضمن میں اعمال کی شرط بہت کڑی ہوگی لیکن ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہ درسِ دین ہے کہ عمل جراحی ہے۔۔۔ نشترِ تحقیق سے محبت کے بیج کو چیرا جانے لگا کہ اسکی اصل جانی جائے۔۔۔ عمل سے پردے اٹھائے جانے لگے کہ اس کا باطن ظاہر ہو۔۔۔ قلب کو ایک طرف اور جسم کو ایک طرف کر دیا گیا۔ ان سب کے مابین بُعد کے ہونے پر عقلی خزانے کھولے گئے۔۔۔ قرآن اور کتابوں سے دلائل پہ دلائل اُمڈنے لگے۔۔۔ رونگھٹوں کے کھڑے ہو جانے، سجدوں میں گر جانے اور آنکھوں کے بہہ جانے کے قصّے بیان ہوئے۔۔۔ اور جسم کے کارخانے کے اندر ان دو کو الگ الگ جدا جدا فریق کے طور منوایا گیا۔

قبلہ حضور! آپ اور آپ کا خانوادہ سدا شاد و آباد رہے......آپ نے ہمیں لُٹنے سے بچا لیا، اب یہ محبت ہمارا سرمایہ ہے، اعمال کی تگ و دو سے ہم اس سرمائے کومضبوط بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

قبلہ! آپ نے اِنس، حیوانات، نباتات اور جمادات کی محبت کے قصے سنائے۔۔۔ کیسے حیوان اپنا حصہ مقرر کرنے کی درخواست کرتے۔۔۔ شیر اپنے شکار کو مصطفوی غلام جان کر بحفاظت منزل تک چھوڑنے کے لیے آتا۔۔۔ کیسے ٹہنیاں اپنے تنوں سے جدا ہوتیں، رقص کرتیں، جھومتیں، رکوع و سجود کرتیں، سرکار دو عالم ﷺ کی شہادت دیتیں اور اپنے تنوں سے واپس جا ملتیں۔۔۔ کیسے حجر درود و سلام کے نذرانے پیش کرتے۔۔۔

قبلہ محبت کرنے والوں کے قصے تو آپ نے بہت بیان کیے پر یہ واقعہ اپنی مثال آپ تھا، کہ ایک صحابیؓ پر شراب پینے کی وجہ سے کئی بار حد لگی مگر صحابہ کرامؓ کو اُس صحابی پر لعن طعن سے محض اس لئے منع فرمادیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اس کے دل میں موجود ہے۔

سبحان اللہ! بندہ گناہ کبیرہ کا مُرتکِب ہے، لیکن محبت ہے، اس لیے عمل بد کی سزا تو ملی مگر محبتِ رسول کو ردّ نہیں کیا۔ اسکے برعکس اگر اعمال کا انبار ہو، لیکن محبت ثابت نہیں تو بس سب کچھ مردود ہے یعنی عمل علی الدین اور محبتِ رسول ﷺ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ مذکورہ واقعہ سے ثابت ہوا کہ جب عمل کے بغیر حضور ﷺ سے محبت کرنے والا صحابی دنیا میں سزا سے نہیں بچ سکا تو محبت کے بغیر خالی عمل کرنے والے آخرت میں نجات کیسے پائیں گے۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ آپ نے بتایا کہ امام بخاریؒ نے یہ حدیث ایمان کے باب میں درج کرکے اپنے ایمان کی بنیاد دنیا والوں کو دکھادی۔

قبلہ! آپ کی طرف سے دیئے جانے والے بخاری شریف کے دروس کی کیا بات ہے۔ اس دور میں اس دورہ بخاری شریف سے بہت سوں کے روحانی امراض و تکالیف کا ازالہ ہوا۔ آپ نے کُتبِ حدیث کے باب کھولے، مصنفین کے طبعِ ذوق کو افشاں کیا، اور سننے والوں پہ یہ نکتہ عیاں کیا کہ ''ترجمۃ الباب'' اصل میں مصنف کے اپنی طبیعت کے رجحان کے مطابق ہے نہ کہ یہ متنِ حدیث کا جزو ہے۔ اسی طرح اسنادِ حدیث کا جاننا اصلِ علم اور دین ہے۔

قبلہ! امام بخاریؒ اور ان کی صحیح کے متعلق مکمل تفہیم کا دعویٰ کرنے والے بھی شاید اس بات سے بے خبر ہوں کہ صحیح بخاری لکھنے کیلئے اِمام بخاری کو کتنی شدید محنت کرنا پڑی۔۔۔ سمرقند و بخارا کی سرد ہواؤں میں پلنے والا جوان کیسے عربستان کے صحراؤں میں مارا مارا پھرتا رہا۔۔۔ ان کے تلامذہ میں کون کون تھا؟ وہ کتنی بار مکہ گئے اور کتنی بار

بغداد۔۔؟ ان کا مقصد حیات کیا تھا۔۔؟ احادیث کو جمع کرنے کی اس ساری کاوش میں ان کا پیمانہ کیا تھا۔۔؟ وہ کتنی احادیث جمع کر پائے اور کتنی یاد کر پائے۔۔؟ تین لاکھ احادیث یاد کر کے بھی کیونکر صرف ۲۵۱۳ صحیح کے طے کردہ پیمانے پر پوری اتریں۔۔۔ اور اپنے شیخؒ کی حدیث سے صحیح بخاری کا افتتاح کیونکر کیا۔۔؟

قبلہ! صحیح بخاری کے ان سارے اسرار و رموز کو جاننے پر بے شک آپ کی بھی بہت عرق ریزی ہوئی، لیکن ہمارا وجدان کہتا ہے کہ سینکڑوں سالوں کے بعد صحیح بخاری کے اس طرز پر دروس دینے پر امام بخاریؒ کی روح ضرور خوشی سے نہال ہوئی ہوگی اور امام بخاریؒ عالم رؤیا میں آپ کو اپنی ملاقات کا شرف بخش چکے ہونگے۔ یہ بات اس لئے کررہے ہیں کہ قبلہ اب ہم بھی آپ کے شناسا ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ خالی کتابیں پڑھنے سے بندہ رموز آشنا نہیں ہو سکتا، یہ شناسائی بغیر ملاقات کے ممکن نہیں۔

قبلہ! آپ نے ہمیں ایک عظیم مبارک باد بھی دی وہ یہ کہ آقائے دو جہاں ﷺ نے ہمارے ایمان کو عجیب تر گردانا، یہ عجیب خبر ہم میں سے بعضوں کے قلب پر بجلی بن کر گری اور فرطِ جذبات سے ان کی چیخیں نکل گئیں، وہ محبت و جذبات کے آنسوؤں میں ڈوب گئے اور پکار اٹھے کہ آقا ﷺ ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپ ﷺ ہمارے اس ادنی سے دعوئ محبت کو عجیب تر ایمان کا درجہ دے رہے ہیں۔

قبلہ! ہمیں کون بتاتا کہ اگر دمِ عیسیٰؑ سے مُردہ انسانوں کو زندگی ملتی ہے تو مصطفی ﷺ اپنے مبارک لمس سے لکڑی کے سُوکھے ہوئے خُشک تنے کو احساسِ قُرب دیتے۔۔۔ پھر احساسِ محبت دیتے۔۔۔ پھر احساس دوری دیتے۔۔۔ پھر رُلاتے۔۔۔ پھر دِلاسہ دیتے۔۔۔ پھر اطمینان دیتے۔۔۔ پھر مطمئن کرتے۔۔۔ پھر احساسِ سماعت دیتے۔۔۔ پھر قوت گویائی دیتے۔۔۔ پھر احساسِ خواہش دیتے۔۔۔ پھر احساسِ فیصلہ دیتے۔۔۔ پھر اپنے تئیں بہتر مستقبل کا احساس دیتے۔۔۔

الغرض یہ بحرِ بیکراں ہے بتانے والے بتاتے جا رہے ہیں اور سننے والے سنتے جا رہے ہیں۔ یہ چند سطور اس کی بھی متحمل نہیں کہ ہم یہاں صرف آپ ہی کے بتائے ہوئے علم کا احاطہ کرسکیں۔ یہ تو آپ کے احسانِ عظیم کا ایک ادنیٰ سا اعتراف ہے۔

آپ نے شریکِ حیات مصطفی ﷺ، اَجزائے وجودِ مصطفی ﷺ اور اصحابِ مصطفی ﷺ کے مابین محبت، ادب، مروت، لحاظِ مرتبہ و نسبت کو آشکار کیا۔ جن کے قلوب کو صاف وستھرا کر دینے پر قرآن بھی گواہی دے رہا ہے، مصطفی ﷺ نے انہیں ایسا طاہر و مطہر کیا کہ میل کے ہونے کا شک بھی محال ہے۔ کچھ نادان شدت پسندوں کی وجہ سے مصطفی ﷺ کے اس سرمایہ کو ٹھیس پہنچ رہی تھی۔ یہ نادان اپنے اندر کی منافرتوں اور منافقتوں کو عیاں کرنے کے لئے کبھی اہل بیت رسول ﷺ کو اور کبھی صحابہؓ کو نشانہ بناتے۔ نادان بھول گئے کہ یہ زبان درازی اہل بیتؓ اور اصحاب رسول ﷺ کی شان میں ہی نہیں بلکہ بلا واسطہ دامانِ مصطفی ﷺ پر ہے، اور اس بغض وعناد کی آگ انہی کے خرمن ایمان کو جلا کر راکھ کر رہی ہے۔

قبلہ! آپ نے چہار یار کے قصے تو بہت بیان کئے، اُن کی باہمی اُلفتیں اور مروتیں، اُنکے اخلاص اور پیار، اُنکی حیا اور پاسداریاں، انکی نسبتیں اور قربتیں اور انکے مقام و مراتب۔۔۔ لیکن دفاعِ شانِ علیؓ بزبانِ غُلامِ علی ایک منفرد خطاب ہے۔ یہ جہاں حُبِ علیؓ کا درس ہے وہاں علمِ حدیث کا سبق بھی۔ اس لئے کہ آئندہ کوئی ڈاکٹر یا سرجن حدیث کا درس دینے سے پہلے علم حدیث کا سبق اچھی طرح سن لے اور یاد کر لے، کیونکہ جیسے نیم طبیب ہونے سے کوئی مریض ٹھکانے لگ سکتا ہے اسی طرح نیم مُلّا ہونے سے کسی کا ایمان ہی ضائع ہو سکتا ہے اور بے تکی زبان درازی امّت میں مزید انتشار کا باعث بن سکتی ہے۔

قبلہ! شہادتِ امام حسینؑ کا ذکر تو بہت سنا،

واعظوں کے وعظ سنے، ذاکروں کے ذکر سنے اور محبت حسینؑ میں غم زدہ ہونے والوں کو دیکھا، لیکن وجۂ قتل ہم نے کسی سے نہ سنی۔ تاریخ کے اس سرخ ورق کے سیاق و سباق بھی آپ نے ہی آشکار کئے۔ دینِ جد امجد ﷺ کی سر بلندی کے لیئے تن، من، دھن کی بے دریغ قربانی اور استقامت علی الحق امام عالی مقام کے خصائلِ عظمیٰ میں سے تھے۔ اس لئے انہوں نے سر کٹوانے کو سر بچانے پر ترجیح دی۔ سورۃ رحمٰن کے اندر ''مرج البحرین'' کو دو عظمتوں کا ملاپ گردانا اور ان میں پڑے ہوئے ''لؤلؤ'' کی ہریالی کو شہادت امام حسنؑ اور ''مرجان'' کی سرخی کو شہادتِ امام حسینؑ کی نشانی قرار دینا۔۔۔ یہ نظر، اللہ اللہ، بے شک فیضِ نظر ہے۔

بہرحال قاتل بد بخت بے ایمان تن کا میلا، من کا غلام اور دھن کا پجاری نکلا، اپنی غیر شرعی حکومت کو قائم کرنے کے لئے دینِ مصطفیٰ اور عترتِ مصطفیٰ ﷺ دونوں کو زخمی کر گیا۔ خود مردود و مغضوب ٹھہرا اور خلافت کے قلعے کو گرا گیا۔ امّت خلافت کے اس قلعے کو کبھی دوبارہ استوار نہ کر سکی، پارہ پارہ ہوگئی اور ہو رہی ہے۔

قبلہ! ہماری روحوں کے تار بھی آپ نے چھیڑے، وہ جو اپنی بے چین روحوں کو اولیاء اللہ کے مزاروں کی حاضری سے راحت دیتے۔۔۔ اپنی مرادیں اور منتیں مانگتے اور اللہ کے دوست کو وسیلہ بنا کر اس سے توسل کرتے۔۔۔ وہ بے چارے مشرک و کافر ٹھہرائے جا چکے تھے۔ فتوؤں کی بوچھاڑ سے انکی توحید میں کوئی زلزلہ نہ آیا، لیکن پریشانی تھی کہ کوئی تو ان فتوؤں کا جواب دے۔

قبلہ! آپ نے قرآن اور حدیث کی نورانی بارش سے اس گرد و غبار کو بٹھا دیا۔۔۔ رشتۂ شیخ و مرید کو مضبوط کیا۔۔۔ نسبت اور بیعت کی اہمیت کو اجاگر کیا۔۔۔ **قبلہ!** یوں تو نسبت تیئں آپ نے اتنے رنگ گنوائے کہ ہم سب تو یاد نہ کر سکے، لیکن نسبت کا ایک رنگ جو اصحابِ کہف کے کتے بارے آپ نے بیان کیا ہم آج تک بھول ہی نہ پائے۔

قبلہ شیخ الاسلام! انکساری عاجزی جہاں آپ کی شخصیت کے اہم پہلو ہیں وہاں جرأت و بہادری بھی آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ سینکڑوں سالوں سے عقابوں کے آشیانوں پہ قابض زاغوں کو بتا دیا کہ انکی اصلیت کیا ہے۔ صاحبِ نظر مرشد اور مرید کی پہچان کا پیمانہ بھی مقرر کر دیا۔

قبلہ! آپکی تعلیم و تربیت کے اثر سے نسبتوں کی عقیدتیں ہمارے قلوب میں جڑ پکڑ چکی ہیں، اس لئے ہم میں جو کوئی حج پہ جاتا تو نقوشِ پائے مصطفیٰ ﷺ تلاش کرتا پھرتا۔۔۔ کبھی بدر و حنین کی مٹی کو چومتا۔۔۔ کبھی حرا کے پتھروں پہ سجدہ کرتا۔۔۔ اس لئے کہ آپ نے قرآن کی یہ بات ہمارے دلوں میں راسخ کردی ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم کرنا تقویٰ ہی نہیں بلکہ دلوں کا تقویٰ ہے۔

قبلہ! بہت سارے تاریخ ساز کام بھی آپ کے دست اقدس سے انجام پائے، جن میں سے چند ایک مثلاً قصاص و دیت کا مسئلہ۔۔۔ تحفظ ناموسِ رسالت کے لئے قانون سازی۔۔۔ مسئلہ رجم پر شریعت کونسل کو رہنمائی۔۔۔ ختم نبوت ﷺ پہ بدبخت قادیانی کو کھلا اعلان مباہلہ۔۔۔ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ پہ توپوں کی سلامی کے لیے سرکار سے منظوری۔۔۔ مخلوق خدا کی روحانی وفکری تربیت کیلئے اجتماعی اعتکاف کا آغاز۔۔۔ عالم گیر میلادِ مصطفیٰ ﷺ کانفرنسز کا انعقاد۔۔۔ عرفان القرآن کی صورت میں دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایک منفرد اور عام فہم ترجمہ۔۔۔ المنہاج السوی، جامع السنہ۔۔۔ دہشت گردی اور فتنہ خوارج کے خلاف مبسوط تاریخی فتویٰ۔۔۔ دفاعِ شیخین اور ہزاروں احادیث پر مشتمل کتبِ احادیث۔۔۔ بصورتِ گوشۂ درود و حلقۂ درود محافل کا قیام۔۔۔ روز محشر ساقیٔ کوثر ﷺ آپ کو اِن گوشوں کے قائم کرنے پر حسنِ کارگردگی کی سند عطا فرمائیں گے۔ ان شاءاللہ

حقوق انسان اور حقوق نسواں کی آڑ میں پلنے والے عالمی فتنے کی سرکوبی اور ان حقوق کی اسلامی تعلیمات کے آئینے میں صحیح تصویرکشی کر کے یہ ثابت کرنا کہ دنیا کا کوئی معاشرہ کسی کو بھی اسلام سے بڑھ کر حقوق

نہیں دے سکتا۔ نسواں کو آزادی کا جھانسا دے کر اسکی عصمت کو تار تار کرنے والے اور کھیل تماشا بنانے والے اور انسانوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے بد بخت نہ حق پہچانتے ہیں نہ حقوق جانتے ہیں۔

زندہ رود کی مانند سلاسلِ طریقت، جن کا ربط حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے آگے اپنے منبع و سر چشمہ حضرت مولا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم سے تاریخ کے اوراق میں گم ہو چکا تھا، قبلہ! آپ نے تاریخ کی ان گم شدہ کڑیوں کو جوڑ کر اس زندہ رود کو بحر بیکراں میں ضم کر دیا کہ آئندہ نہ کوئی تاریخ دان پریشان ہو اور نہ ہی کوئی طالب علم۔

مبارک ہو بالآخر آپکی آواز سے یہ حصار بھی ٹوٹا، مادی ترقی اور اپنی ایجادات پر نازاں قوموں کے سامنے صدیوں سے اسلام پہ پڑے غلاف کو اٹھا دیا، اور انہیں خبر دار کیا کہ اسلام کو رسومات کا مذہب سمجھنے والو! سنو، اسلام، قرآن و سنت کی شکل میں یہ ایک ایسا چشمہ ہے جس میں ایمبر یالوجی، بیالوجی، فزکس، کیمسٹری، اناٹومی، سرجری، میڈیسن، اسٹرانومی، میتھ میٹکس، جیومیٹری، جیوگرافکس، سوشیالوجی، ہسٹری، پولیٹیکل سائنس، سائیکالوجی، اکنامکس، برقیات، میکانیات، موسمیات الغرض وراء افلاک کی بلندیوں سے لے کر زمین پر چلنے والی چیونٹیوں کے باتیں کرنے تک کا علم ہے۔

اسکے علاوہ ہم نے آپ سے سیاسیات، قوموں کی نفسیات، مزاج، جماعت کے درس بھی سنے۔۔۔ اور یہ کہ عملِ سیاست بھی عظمتِ مصطفےٰ ﷺ کی ایک کرن ہے۔۔۔ جمہوریت ایک طرزِ زندگی ہے جو کہ بتدریج قوموں کے اندر پنپتا ہے اور باقاعدہ ایک عمل سے گزر کر کوئی قوم جمہوری طرز فکر اختیار کرتی ہے نہ کہ یہ کوئی کذب و افترا پر مبنی بے بنیاد سیاسی نعرہ ہے جو کہ ہم پچھلے 64 سالوں سے سنتے آ رہے ہیں۔

قوموں کی روایات سے مزاج تخلیق پاتے ہیں، مزاج سے طرز فکر جنم لیتا ہے، اور اسی فکر سے عمل اور قوم کے مجموعی عمل سے معاشرے کے حالات کا مد و جزر وجود پاتا ہے۔ انسانی معاشرے، مزاج، نفسیات اور سیاسیات کا یہ فہم آپ سے وابستہ ہر کارکن کو حاصل ہے اور یہ آپ کے دروس کا فیض ہے، ورنہ اتنی باریکیاں کتابیں پڑھنے سے بھی حاصل نہیں ہوتیں۔

ہم جماعت اور قائد کی حیثیت اور کارکن کی ذمہ داریوں سے نابلد، اور اس بے علمی کی وجہ سے کئی سوالات و اعتراضات سر اٹھاتے، اس صورت حال میں قائد محترم، ہمیں ایک منظّم تنظیم کا کارکن بنانے کی ذمہ داری بھی آپ نے نبھائی، اور نماز کی جماعت سے لے کر غزوہ احد کی مشکلات تک بے شمار دقیق نکات کو تریتاً آشکار کر کے جماعت کی کامیابی کو قائد اور کارکن کی ہم آہنگی پر منحصر، اور اس میں بے قاعدگی کو جماعت کی ناکامی کا سدباب قرار دیا۔

قبلہ شیخ الاسلام! یہ آپ کے دروس کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ یہ تحریر اس بحر کو سمیٹنے کی متحمل نہیں اور نہ یہ مقصد ہے۔ یہ ایک ادنیٰ سا اظہار تشکر ہے اور بحیثیت شاگردوں کے استاد کے حضور اظہار خود اعتمادی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فضل سے اور آپ کے فیض سے یہ عقائد میں پہاڑ کی طرح پکے ہیں، مصطفوی ﷺ انقلاب کے دیوانے ہیں اور آپ کے دست و بازو ہیں۔

”پیر سائیں آخر تے ہتھ بدھ تے عرض کریندیں آں، اگر کڈھائیں امتحان پو گیا تے انشااللہ اے سر چا ڈیسن پر کنڈ نہ ڈیسن“۔۔۔ جن کے اندر جو کمی ہے وہ بھی ان شاء اللہ ختم ہو جائیگی۔

قبلہ ہمیں یقیں ہے کہ اقبالؒ جس مردِ مومن کی تلاش میں رہے، وہ آپ ہی کی شخصیت ہے۔ آخر میں دعا گو ہیں کہ یا اللہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں اور خوشیاں عطا فرما اور منہاج القرآن کی صورت میں لگائے گئے ان کے شجر سایہ دار کو محفوظ و مامون فرما۔ ان کی عمر، علم، فکر اور صحت میں برکتیں عطا فرما۔

مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے زیراہتمام

بیداریٔ شعور طلبہ اجتماع

مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے زیراہتمام سالانہ بیداری شعور طلبہ اجتماع ناصر باغ لاہور میں 19 نومبر 2011ء کو منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں کرپشن، مہنگائی، بے روزگاری، عدم انصاف، فرسودہ نظام تعلیم اور موجودہ استحصالی انتخابی نظام کے خلاف ملک بھر کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ایک لاکھ طلبہ و طالبات نے بھر پور شرکت کر کے مقتدر طبقوں کو یہ پیغام دیا کہ اب وطن عزیز کے طلبہ اور نوجوان ملک بچانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

طلبہ اجتماع میں تحریک منہاج القرآن کے مرکزی امیر محترم صاحبزادہ مسکین فیض الرحمٰن درانی، ناظم اعلیٰ محترم ڈاکٹر رحیق احمد عباسی اور سینئر نائب ناظم اعلیٰ محترم شیخ زاہد فیاض، ایم ایس ایم کے مرکزی صدر محترم تجمل حسین انقلابی، محترمہ شاکرہ چودھری (مرکزی صدر MSM طالبات)، نائب صدر محترم چوہدری عرفان یوسف، سیکرٹری جنرل محترم عبدالغفار مصطفوی، مرکزی سیکرٹری اطلاعات محترم ضمیر مصطفوی، مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے صوبائی صدر سندھ محترم بشیر مصطفوی، صوبائی صدر خیبر پختونخواہ محترم اسد اللہ الازہری، صدر آزاد کشمیر محترم عمیر مصطفوی، صوبائی صدر بلوچستان محترم نبی بخش سنجرانی، صدر گلگت بلتستان محترم چوہدری بابر اور سابق صدور MSM نے خصوصی شرکت کی۔

مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے مرکزی صدر تجمل حسین نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ آج کا یہ طلبہ اجتماع ایک تاریخی منظر ہے۔ جس میں ملک بھر سے طلبہ و طالبات نے شرکت کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ملک میں شعوری تبدیلی کے پیامبر ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی قیادت میں طلبہ یکجا ہیں، طلبہ ملک میں بیداری شعور اور انقلاب لانے کے لیے ہراول دستہ ہیں جو وطن عزیز کی ترقی اور سالمیت کے لیے ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی پرامن قیادت میں متحد ہیں۔

اس موقع پر تحریک منہاج القرآن کے ناظم اعلیٰ محترم ڈاکٹر رحیق احمد عباسی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ لاہور کے تاریخی ناصر باغ میں ایک لاکھ طلبہ نے شرکت کر کے شیخ الاسلام کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ طلبہ نے ثابت کر دیا کہ وہ مثبت اور شعوری تبدیلی چاہتے ہیں۔ یہ تبدیلی انقلاب کی صبح بن کر طلوع ہوگی۔ منہاج القرآن نے ہمیشہ علم اور امن کا پرچم بلند کیا، جس کا واضح ثبوت آج کا یہ طلبہ اجتماع ہے، ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اس ملک کے ہر طبقہ کے قائد ہیں۔ وہ دن دور نہیں، جب شیخ الاسلام کی قیادت میں انقلاب پاکستان کا مقدر بنے گا۔ آج کا اجتماع مستقبل قریب میں آنے والی تبدیلی کا گواہ بن گیا ہے۔

اجتماع سے جنرل سیکرٹری MSM محترم عبدالغفار مصطفوی، جملہ صوبائی صدور MSM، مرکزی صدر MSM طالبات محترمہ شاکرہ چودھری، محترم سعید عالم (سابق صدر MSM) اور دیگر مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایم ایس ایم ملک میں صحت مند تعلیمی کلچر کے ساتھ ساتھ غیر سیاسی تنظیم ہے جو بیداری شعور مہم کے ذریعے عوام کو شعور دلا رہی ہے۔ مصطفوی سٹوڈنٹس کا پیغام امن اور پاکستان کے لیے ترقی کی امید ہے جس میں ملک بھر کے طلبہ و طالبات اہم کردار

ادا کررہے ہیں۔ طلبہ کے لیے اس ملک کی تقدیر بدلنے کا مرحلہ آن پہنچا ہے، کیونکہ ملک کے سیاسی لیڈران عوام کو بار بار الیکشن کے نام پر دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ ملک اب الیکشن کا متحمل نہیں رہا، اس لیے لوگوں کو اب بیداری شعور مہم میں مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کا ساتھ دینا ہوگا۔

خطاب شیخ الاسلام

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے کینیڈا سے ویڈیو کے ذریعے ''تبدیلی'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

''اس وقت پاکستانی قوم ایک منتشر اور پارہ پارہ قوم ہے۔ اس کو اتحاد و یگانگت کی سخت ضروری ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس Scattered اور Disintegrated قوم کو Unity مل جائے۔ یہ دوبارہ وحدت کے رشتے میں پروئی جائے۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کے لیے تبدیلی (change) چاہئے۔

قوم مایوس ہوچکی ہے۔ میں اس قوم کو مایوسی سے نکال کر امید کی نعمت اور یقین کے نور سے بہرہ مند دیکھنا چاہتا ہوں مگر یہ قوم مایوسی سے کیسے نکلے اور امید اور یقین کا نور ان کے چہروں پر کیسے پلٹ کے آ سکتا ہے؟ اس کے لیے بھی ایک بنیادی تبدیلی (change) کی ضرورت ہے۔

یہ قوم بدقسمتی سے بے مقصدیت کا شکار ہوگئی ہے۔ اس قوم کے سامنے کوئی نصب العین نہیں رہا۔ جو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منتشر ہو جانے والے جتھوں کو جوڑ کر ایک اکائی میں دوبارہ بحال کر سکے۔ جو قوم کے کروڑوں لوگوں کو باعزت جینے اور مرنے کا سلیقہ سکھا سکے۔ ہم اس قوم کو دوبارہ مقصد کا شعور اور آگہی دینا چاہتے ہیں۔ ہم گزشتہ ۳۰ سالوں سے تحریک منہاج القرآن کے ذریعے بیداری شعور کا فریضہ نبھا رہے ہیں۔ اس بے مقصد قوم کو اب مقصد اور آگہی کا شعور کیسے ملے گا؟ اس کے لیے بھی ہماری غور وفکر کا نتیجہ یہی ہے کہ اس کے لئے بھی بنیادی تبدیلی (change) کی ضرورت ہے۔

اسی طرح یہ قوم بے سمت ہوگئی ہے۔ کراچی سے خیبر پختونخواہ تک اور کشمیر سے چمن کی سرحدوں تک من حیث القوم اس کی کوئی سمت نہیں رہی۔ اس کی سوچیں، وفاداریاں، بولیاں، مفادات، ترجیحات اور ایجنڈے سب متضاد ہیں۔ یہ ایک Directionless قوم بن چکی ہے۔ سترہ کروڑ بے ہنگم عوام کا ہجوم ایک قوم بن کر، ایک وحدت اور اکائی بن کر، ایک مقصد کے ساتھ ایک سمت کی طرف چل پڑے، لیکن یہ کیسے ممکن ہوگا؟ اس کے لیے ایک ہمہ گیر change کی ضرورت ہے اور وہ تبدیلی نظام میں تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں ہوگا۔

یاد رکھیں! آپ کا دشمن وہ کرپٹ اور اجارہ دارانہ نظامِ انتخاب ہے۔ وہ نظامِ سیاست ہے جو گزشتہ چھ دہائیوں سے مخصوص لوگوں کو اس ملک میں پال رہا ہے۔ مخصوص اجارہ داریوں کے نیچے جس کی پرورش ہو رہی ہے۔ جس نے اس قوم کے ننانوے فیصد عوام کو حقیقی جمہوریت سے محروم کر رکھا ہے اور جس نے ایک فی صد سے بھی کم پر مشتمل مخصوص طبقے کو حکومت کا پیدائشی اور موروثی حق دے رکھا ہے۔ اگلے سال پھر انتخابات کا اِمکان ہے اور اس کی دوبارہ تیاریاں بھی شروع ہوگئی ہیں۔ یہی وہ کرپٹ اِجارہ دارانہ نظام انتخاب (monopolistic electoral system) ہے جس کے اردگرد ملک کی پوری سیاست گھومتی ہے اور جس monopolistic electoral system کے نتیجے میں اس ملک میں ایک جعلی جمہوریت جنم لیتی ہے۔ موجودہ پاکستانی سیاست اِس فرسودہ اِجارہ دارانہ نظامِ اِنتخاب کے گرد گھومتی ہے اور اس نام نہاد monopolistic

electoral system کے نتیجے میں جو حکومتیں وجود میں آتی ہیں بدقسمتی سے ان حکومتوں کا نام جمہوری حکومت (democracy) رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ سیاست میں بھی دھوکا ہے اور اس نام نہاد جمہوریت میں بھی دھوکہ ہے۔

آج پاکستان سیاسی بحران، معاشی بدحالی، مہنگائی کے طوفان اور عوامی مسائل سے دوچار ہے۔ جہاں حقیقی تبدیلی کیلئے طلبہ کو وہ تاریخی کردار ادا کرنا ہے جو تحریک پاکستان کے وقت کیا تھا۔ اس ملک کی دشمن سیاسی و مذہبی جماعتیں نہیں بلکہ ظالمانہ انتخابی نظام ہے جس نے ملک کے کروڑوں غریب عوام کو حقوق سے محروم کر رکھا ہے۔ ملک بچانے کیلئے قوم انتخابی نظام کے خلاف بغاوت کردے۔ پاکستان کے نظام میں انقلابی تبدیلی نہ فوج لائے گی اور نہ موجودہ انتخابی نظام بلکہ تبدیلی سسٹم سے بغاوت کرنے سے آئے گی۔ آج اس ملک میں سپریم کورٹ آف پاکستان فیصلے دینے میں آزاد ہے مگر ان فیصلوں پر عمل درآمد کرانے میں قاصر نظر آتی ہے۔ جو حکمران غریبوں کا نام لے کر ملک کی خدمت کا جھوٹ بول رہے ہیں، وہ کروڑوں روپے سے قومی اسمبلی کے ایک حلقے کا الیکشن لڑتے ہیں۔ اس لئے ایسے لوگ قوم کی کیا خدمت کریں گے؟ مخصوص خاندانوں کی حلقوں میں اجارہ داریاں ہیں۔ یہاں فراڈ سے اسمبلی تک پہنچنے کا نام جمہوریت ہے۔ موجودہ نظام کے تحت منتخب ہونے والوں نے اس قوم کو خودکشیاں، بیروزگاری اور ملک وقوم کے وقار کی بربادی دی ہے۔ اس ملک کی نہ کوئی خارجہ پالیسی ہے نہ داخلہ، ہماری خودمختاری کو گرہن لگ چکا ہے۔ مغرب میں 2 پارٹی سسٹم اس لئے کامیاب ہے کہ وہاں مواخذے کا نظام سخت ہے۔ مگر ہمارا الیکشن کمیشن تو نابینا ہے۔ موجودہ انتخابی نظام میں ووٹر کی رائے کا احترام نہیں ہے، سیاسی جماعتوں کے کلچر میں منشور اور جمہوری روح موجود نہیں ہے، یہاں مقتدر طبقہ عوام کے ووٹ کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

پاکستان بیرونی ممالک کی کالونی بنا دیا گیا ہے۔ پارلیمنٹ کل بھی ربڑ سٹیمپ تھی آج بھی وہی حال ہے۔ ایک ایشو پکڑ کر سیاست کا گھناونا کھیل اس لئے کھیلا جاتا ہے کہ موجودہ نظام اسے سپورٹ کرتا ہے۔ پاکستانی عوام کو اس انتخابی نظام سے کسی تبدیلی کی خوش فہمی میں مبتلاء نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ آئندہ الیکشن میں بھی پارلیمنٹ چوں چوں کا مربہ بنے گی۔ جس میں اس وقت اقتدار کے مزے لوٹنے والی تمام جماعتوں کو کم و بیش اتنی ہی اکثریت ملے گی۔ اس لیے عوام کو حقیقی تبدیلی کے لیے ملکی انتخابی نظام سے بغاوت کرنا ہوگی۔ اس فرسودہ انتخابی نظام نے دھاندلی کا پلندا دیا جو عوام کے گلے میں مسائل بن کر لٹک گیا ہے۔ اس ملک میں عوام تبدیلی کی صبح دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر فوری انتخابی نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوجائیں کیونکہ مسلم لیگ ن، پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم سمیت کوئی جماعت ملک دشمن نہیں، بلکہ انتخابی نظام ملک دشمن ہے۔ اس نظام انتخاب اور کرپٹ سیاسی نظام سے بغاوت نہ کی گئی تو اس قوم اور ملک کی تقدیر کبھی نہیں بدلے گی۔ آج ملک میں سیاسی انڈسٹری بن گئی ہے۔ غریب کی بات کرنے والے سیاستدان پیسہ لگاتے اور پھر کماتے ہیں۔ پیسے اور کرپشن کا کلچر ملک کے ہر شعبے میں پھیلتا جارہا ہے، حتی کہ سپورٹس بھی اس زد میں آ گئی ہے۔ اس ملک میں ہر شعبے میں زوال کی انتہاء ہے۔ جس کو تبدیلی کی ہوا سے ختم کرنا ہمارا فرض ہے۔

اس ملک میں جمہوریت طاقتور اور مقتدر لوگوں کی لونڈی بن گئی ہے، تبدیلی کا واحد راستہ پرامن ہونا چاہئے کیونکہ تبدیلی ڈنڈے کے زور پر نہیں آئے گی۔ ہم کسی فوجی آپریشن کے حامی نہیں ہیں۔ ہم ایک پرامن اور شعوری تبدیلی چاہتے ہیں۔ جس کے لیے عوام میں شعور کی بیداری بنیادی کردار ادا کرے گی۔

خصوصی ہدایات برائے میلاد مہم 2012ء

ماہ ربیع الاول ہم پر سایہ فگن ہے۔ پوری دنیا میں عاشقان رسول ﷺ اس ماہ مقدس کو مذہبی جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ اپنے قیام سے لیکر آج تک تحریک منہاج القرآن اپنے عظیم قائد کی زیر سرپرستی اس ماہ مقدس کو جس عظیم الشان طریقے سے مناتی ہے اس کی مثال کہیں اورنہیں ملتی۔ اس سال بھی بحمدللہ تعالیٰ یہ سعادت تحریک منہاج القرآن کو ہی نصیب ہورہی ہے۔

الحمدللہ تحریک منہاج القرآن نے عشق رسالت مآب ﷺ کے فروغ کے لئے جس عظیم عالمی میلاد کانفرنس کا آغاز کیا تھا آج اس کو 28 سال ہوچکے ہیں۔ اس سلسلہ میں دنیا بھر کی تنظیمات / جملہ فورمز / کارکنان وابستگان و رفقاء کیلئے خصوصی ہدایات بسلسلہ میلاد مہم 2012ء دی جارہی ہیں۔ جملہ تنظیمات و کارکنان پر لازم ہے کہ وہ ان ہدایات کی روشنی میں ہر سال کی طرح اس سال بھی انفرادی و اجتماعی سطح پر محافل میلاد کا پروقار انداز میں انعقاد کریں۔

عالمی میلاد کانفرنس 2012ء امسال بھی ان شاء العزیز مینار پاکستان پر ہی ہوگی جس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی خطاب ہوگا۔ جملہ کارکنان و تنظیمات عالمی میلاد کانفرنس سمیت تمام پروگرامز میں بھرپور شرکت کو یقینی بنائیں اور کامیاب کرنے کے لئے بھرپور جدوجہد کریں۔

☆ اس سال میلاد مہم کا دورانیہ 20 جنوری سے 10 فروری تک ہوگا۔

میلاد مہم اور تحریک بیداریٔ شعور: تحریک بیداریٔ شعور کے دوسرے ہدف، حضور ﷺ کی محبت کو --- وفاداری تک --- پر توجہ مرکوز کی جائے گی اور یہ پیغام --- عام کیا جائے گا کہ حضور ﷺ سے محبت، آپ سے وفاداری سے ہی مکمل ہوتی ہے اور حضور ﷺ کی وفاداری، دین مصطفیٰ کی وفاداری اور عشق رسول کا دعویٰ کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ وفاداری مصطفیٰ کے تقاضے پورے کرنے، احیائے اسلام اور اقامت دین کے لئے جدوجہد میں اپنا کردار ادا کریں اور قائد محترم کا پیغام ہر گھر تک پہنچائیں۔

استقبال ربیع الاول: ☆ ربیع الاول کا چاند دیکھنے کے بعد دو رکعت نماز نوافل شکرانہ ادا کریں۔

☆ یکم ربیع الاول کو تمام تحصیلات میں تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام عظیم الشان استقبال ربیع الاول مارچ کا انعقاد کیا جائے جس میں شہر کی جملہ تنظیمات کو بھی دعوت دی جائے۔

عالمی میلاد کانفرنس میں شرکت: ا۔ عالمی میلاد کانفرنس کو عظیم الشان بنانے کے لئے جملہ تنظیمات/ فورمز/ کارکنان محنت کریں۔ اجتماعی اور انفرادی سطح پر ہر خاص و عام کو کانفرنس میں شرکت کے لئے بھرپور دعوت دیں۔

۲۔ اپنے شہر میں خود سے عالمی میلاد کانفرنس کے بڑے بڑے ہورڈنگز و بینرز لگوائیں۔

۳۔ پنجاب کے ڈویژنل ہیڈ کوارٹرز کے نگران اپنی زیر قیادت ڈویژن کی سطح پر ہر تحصیل میں ''کاروان میلاد'' کا انعقاد کریں اور ہر ڈویژن میں ہینڈ بلز تقسیم کریں۔

۴۔ مشعل بردار جلوس نکالے جائیں اور ان کے ذریعے عالمی میلاد کانفرنس میں شرکت کی دعوت دیں۔

۵۔ ہر رفیق/ وابستہ/ کارکن اپنی گاڑی کی بیک سکرین پر ''عالمی میلاد کانفرنس'' کی چاکنگ یکم تا 12 ربیع الاول کروائے گا۔

۶۔ متعلقہ تنظیم اپنی یونین کونسل سطح کی محافل میں عالمی میلاد کانفرنس میں اپنے لوگوں کے ساتھ ساتھ دیگر تنظیموں کو بھی بھرپور شرکت کی دعوت دیں۔ ۷۔حسب استطاعت ضیافت میلاد کا اہتمام کریں۔

۸۔ پاکستان بھر میں ہونے والے دروس قرآن/ حلقہ عرفان القرآن و حلقہ درود میں عالمی میلاد کانفرنس میں شرکت کی بھرپور دعوت دی جائے۔

۹۔ ہر شہر میں چلنے والے کیبل نیٹ ورک پر عالمی میلاد کانفرنس کے اشتہار چلوائے جائیں۔

۱۰۔ عالمی میلاد کانفرنس میں بروقت پہنچیں تاکہ جگہ کی پریشانی نہ ہو۔

۱۱۔ بسوں پر بینرز آویزاں کریں۔ درود وسلام پڑھتے ہوئے آئیں۔

۱۲۔ ملکی حالات کے پیش نظر سیکیورٹی پر خصوصی توجہ دی جائے کسی بھی مشکوک فرد کو گاڑی میں نہ بیٹھنے دیں بلکہ فوری طور پر پولیس کو اطلاع کریں۔ ۱۳۔ ضیافت میلاد کا اہتمام شام 7 بجے سے 9 بجے تک ہوگا۔

اجتماعی تنظیمی ذمہ داریاں: ا۔تنظیمات اور وابستگان تحریک یونین کونسل سطح پر حلقہ ہائے درود وفکر اور محافل میلاد کا اہتمام کریں

۲۔ دیگر کتب کے علاوہ قائد محترم کی کتاب سیرۃ الرسول ﷺ اور منہاج السوی کی بھرپور تشہیر کی جائے۔

۳۔ 12 روز تک تحصیل سطح پر مشعل بردار جلوس کا اہتمام کریں اور جشن میلاد النبی ﷺ کا ماحول پیدا کریں۔

۴۔ تحصیلی سطح پر ہونے والے دروس قرآن میں عشق رسول ﷺ کے عنوان سے دروس قرآن کا اہتمام کریں۔

۵۔ ہر تحصیلی تنظیم قائد محترم کی کتب وکیسٹس اور CDs دعوتی پیکج تحائف کی صورت میں مذہبی، سیاسی اور سماجی دانشور شخصیات کو دیں۔

۶۔ بینرز کے ذریعے مقامی سطح پر امت کو آقا ﷺ کی ولادت باسعادت کی مبارکباد دی جائے اور فروغ عشق مصطفیٰ ﷺ کو اجاگر کیا جائے۔

۷۔ مقامی سطح پر محافل میں خطابات کیلئے تنظیمات مقررین کی ڈیمانڈ نظامت دعوت سے کریں۔

۸۔ مرکزی سطح پر قائم ہونے والے گوشہ درود کو مقامی محافل میں متعارف کروایا جائے۔

۹۔ قائد محترم کے Qtv پر چلنے والے خطابات کو پورا مہینہ اجتماعی طور پر بازاروں اور گھروں میں دکھانے کا اہتمام کیا جائے۔

۱۰۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر میلاد مہم کی جملہ تقریبات کو بھرپور انداز میں اجاگر کیا جائے۔

گھریلو سطح پر (صرف خواتین کیلئے): ا۔ یکم تا 12 ربیع الاول خواتین بچوں کو عید میلاد النبی ﷺ کی اہمیت بیان کریں تاکہ بچوں میں میلاد النبی ﷺ کی خوشی کا احساس پیدا ہو۔اپنے گھروں میں خصوصی حلقہ ہائے درود کا انعقاد کریں۔

۲۔ بچوں کو درود وسلام پڑھنا سکھائیں اور اس کے اجر وثواب کی اہمیت کو اجاگر کریں۔

۳۔ ہر روز گھروں میں خواتین کی محفل نعت کا اہتمام کریں جس میں تبرک کا اہتمام کیا جائے۔

۴۔ خواتین محفل نعت میں خود اور بچوں کو نعت پڑھنے کی سعادت کا موقع فراہم کریں۔

۵۔ والدین بچوں کو آقا ﷺ کی بچوں کے ساتھ محبت وشفقت بھرے واقعات سنائیں۔

۶۔ خواتین گھروں میں آپ ﷺ کا پسندیدہ کھانا جو آپ ﷺ تناول فرماتے تھے(تفصیل کتاب شمائل

مصطفیٰ ﷺ میں درج ہے) گھر میں تیار کریں۔

۷۔ صبح فجر کے بعد شکرانے کے نفل ادا کریں۔ شرینی بانٹیں، نئے کپڑے پہنیں، عزیز و اقارب سے ملیں اور محافل کا انعقاد کریں۔

۸۔ ہر تحریکی گھرانے میں نماز فجر کے بعد کھڑے ہو کر حضور ﷺ پر درود وسلام پڑھا جائے۔

برائے کارکنان (انفرادی سطح): ا۔ ہر کارکن کثرت سے درود پاک کا وظیفہ کرے۔ ماہ ربیع الاول کے پہلے 12 دن کم ازکم 1000 مرتبہ اور باقی دنوں میں کم ازکم 500 مرتبہ روزانہ درود پاک ضرور پڑھا جائے۔

۲۔ پہلے 12 دن ہر کارکن ہر روز نفل حضور اکرم ﷺ کی طرف سے پڑھے جبکہ باقی ایام ربیع الاول میں ہر پیر کو پڑھے۔ ہر کارکن فروغ عشق رسول ﷺ کی تحریک، تحریک منہاج القرآن میں لوگوں کو شمولیت کی دعوت دے اور کم ازکم 10 افراد کو تحریک کا رفیق بنائے۔

۳۔ پورا مہینہ گنبد خضریٰ کا مونوگرام اور نعلین پاک سینوں پر آویزاں کئے جائیں۔

۴۔ حسب استطاعت گھروں پر یکم سے 12 ربیع الاول تک جھنڈیوں اور لائٹنگ کے ذریعے بھرپور خوشی کا اظہار کیا جائے۔

۵۔ دوستوں اور رشتہ داروں کو میلا د النبی ﷺ کے کارڈ، تحائف اور پھولوں کے گلدستے پیش کیے جائیں۔ ہر کارکن کم ازکم 10 افراد کو میلا د النبی ﷺ کے کارڈ بھجوائے گا۔ مرکز سے یہ کارڈ دستیاب ہوں گے۔

۶۔ اہم شخصیات کو سیرت الرسول ﷺ / میلا د النبی ﷺ، شمائل مصطفیٰ ﷺ یا منہاج السوّی کا تحفہ دیں۔

۷۔ تحریک سے وابستہ ہر فرد اپنی فیملی کو ہر روز بٹھا کر قائد محترم کی کتاب نورالابصار بذکر النبی المختار سے حضور ﷺ کے فضائل و کمالات اور حسن و جمال پر مبنی عبارت پڑھ کر سنائے۔

۸۔ ہر تحریکی گھرانہ اپنے گلی بازاروں میں آقا ﷺ کی آمد کی خوشی میں بچوں کے اندر کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کرے تاکہ شعوری طور پر بچوں کے اندر حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی کا احساس پیدا ہو۔

۹۔ بچوں کو نئے کپڑے پہنائے جائیں اور حسب استطاعت عیدی دی جائے۔

۱۰۔ بچوں کو کم ازکم ایک دفعہ سیر کیلئے لے جایا جائے۔

۱۱۔ ٹیلی فون، Mobile Message کے ذریعے مبارکباد دی جائے۔ ہر کارکن تحریک کے پیغام کے ساتھ کم ازکم 50 لوگوں کو SMS کرے۔

۱۲۔ E-mail کے ذریعے کارڈ کی ترسیل کی جائے۔

منہاج ایجوکیشن سوسائٹی: ا۔ منہاج پبلک /ماڈل سکولز میں تلاوت، نعت اور تقریری مقابلے بسلسلہ میلاد النبی ﷺ منعقد کیے جائیں۔

۲۔ منہاج پبلک /ماڈل سکولز میں تاجدار کائنات ﷺ کی بچوں کے ساتھ شفقت و محبت اور میلا د النبی ﷺ کی اہمیت پر لیکچرز اور محافل نعت کا اہتمام کریں اور بعد ازاں شرینی بانٹی جائے۔

۳۔ جہاں ممکن ہو مشعل بردار جلوس نکالا جائے۔

۴۔ بچوں کو صبح اسمبلی میں ایک حدیث میلا د النبی ﷺ کے حوالے سے ترجمہ کے ساتھ سنائی جائے۔

۵۔ منہاج پبلک /ماڈل سکول قریبی پرائیویٹ سکولز کو مرکزی میلاد النبی ﷺ کانفرنس میں شرکت کی دعوت دیں۔
۶۔ مختلف سکولز کو عید میلاد النبی ﷺ کے کارڈ ارسال کیے جائیں۔ DDEs تمام سکولز کو اس سعادت میں شامل کریں۔
۷۔ سرکاری وغیر سرکاری تعلیمی ادارہ جات کو تحریک منہاج القرآن کی طرف سے میلاد النبی ﷺ کے کارڈ روانہ کیے جائیں۔
۸۔ بچوں کو صاف ستھرے کپڑے پہننے کی ترغیب دی جائے۔
۹۔ تمام سکولز کی بلڈنگ میں چراغاں کیا جائے۔
۱۰۔ بچوں کو گھروں میں میلاد النبی ﷺ پر چراغاں کرنے کی خصوصی ہدایت کی جائے۔
۱۱۔ صبح کی اسمبلی میں تمام بچے تاجدار کائنات ﷺ کی ذات اقدس پر ایک دفعہ درود وسلام ضرور پیش کریں۔

☆ **اس عظیم الشان مہم کو کامیاب بنانے کیلئے ابھی سے ہی ذمہ داریاں تقسیم کردی جائیں اور تمام احباب اس میں بھرپور محنت کریں۔**

برائے رابطہ: **محمد جواد حامد** (مرکزی ناظم اجتماعات ومہمات TMQ) (0313/0333-4244365)

ہدایات ہفتۂ تقریبات بسلسلہ قائد ڈے 12 تا 19 فروری 2012ء

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ العالی کا یوم پیدائش صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں تحریک کے وابستگان کیلئے خوشی ومسرت کا ہوتا ہے۔ ہر سال تحریک سے وابستہ تمام لوگ اپنے ذوق کے مطابق اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں حسب معمول تحریک منہاج القرآن کی CWC نے 12 تا 19 فروری 2012ء ہفتۂ تقریبات قائد ڈے منانے کا فیصلہ کیا ہے۔

ان تقریبات کا مقصد جہاں اللہ تعالیٰ کے حضور اظہار تشکر اور تجدید عہد ہے، وہاں تنظیمی سطح پر شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی صحت، سلامتی اور درازی عمر کیلئے خصوصی دعائیہ تقریبات کا اہتمام کرنا ہے۔ شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی عالمی سطح پر احیائے اسلام، اقامت، قیام امن اور فروغ محبت ورواداری اور تحریک بیداریٔ شعور اور مصطفوی انقلاب کیلئے کی جانے والی کاوشوں کو موجودہ حالات و واقعات کے تناظر میں عوامی سطح پر نمایاں کرنا وقت کی ضرورت ہے۔

پس شیخ الاسلام کی ان کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے ان تقریبات میں پاکستان اور دنیا بھر میں موجود تحریک کے وابستگان، کارکنان، تنظیمات، طلبہ وطالبات اور تعلیمی ادارے سب شریک ہوں۔

اس سلسلے میں مرکز اور فیلڈ میں تقریبات کا اہتمام کیا جائے گا۔ تنظیمات و کارکنان ان تقریبات کا بھرپور اہتمام کریں اور اپنی شرکت کو یقینی بنائیں۔

برائے رابطہ: **محمد جواد حامد** (مرکزی ناظم اجتماعات ومہمات TMQ)
(0313/0333-4244365)